حادثہ کربلا اور سبائی سازش

از

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

داعی اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی۔



اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی

Islamic Information Centre





نام کتاب : **حادثہ کربلا اور سبائی سازش**

مؤلف : ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر : اسلامک انفارمیشن سینٹر، کرلا، ممبئی

اشاعت : 2013ء

تعداد : 1000

قیمت : 50/روپے

ملنے کے پتے :-

☆اسلامک انفارمیشن سینٹر، کرلا، ممبئی

☆عمری بک ڈپو، نزد مدرسہ تعلیم القرآن، اشوک نگر، کرلا، ممبئی

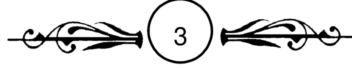
☆مدرسہ رحمانیہ سلفیہ، کملا رامن نگر، بیگن واڑی، گوونڈی، ممبئی

☆مدرسہ تنویر الاسلام، سعداللہ پور، پوسٹ کسمہی، سدھارتھ نگر، (یو، پی)

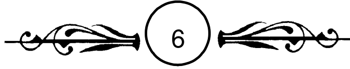
☆مرکز مکتبہ الاسلام، ایوان ہمدرد، مسلم چوک، گلبرگہ، کرناٹک، انڈیا۔

کتاب منگانے کے لئے رابطہ نمبر:

02232198847



فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے دراصل ایک تقریر تھی جسے میں نے جامع مسجد اہل حدیث، اشوک نگر، کرلا، ممبئی میں قسط وار پیش کیا تھا اس وقت میں فضیلۃ الشیخ محمد امین الریاضی حفظہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ ''کلیہ ام سلمہ الاثریہ للبنات'' میں بحیثیت استاذ مقرر تھا، میری تقریر سننے والوں میں شیخ محترم بھی تھے انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور مجھ سے کہا کہ میں اسے کتابی شکل دے دوں تاکہ ادارہ سے اسے چھپوا دیا جائے، مگر افسوس کی یہ کام میں بروقت نہ کرسکا پھر کچھ دیگر مصروفیات کے سبب پورا ایک سال نکل گیا اور میں اگلے سال ادارہ سے بھی علیحدہ ہوگیا۔

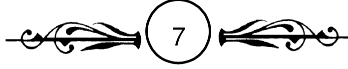
لیکن بعد میں کچھ فرصت ملی تو میں نے اسے مکمل کرلیا اور کئی سالوں سے یہ کتاب میرے پاس مخطوط تھی، اب کچھ حذف واضافہ کے ساتھ اس کتاب کی طباعت ہورہی ہے، اس کتاب میں عام طور سے تاریخی لحاظ سے اس موضوع پر بحث کی گی ہے لیکن اسی سلسلے کی ہماری ایک دوسری کتاب ہے **''حادثہ کربلا و یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں''** اس کتاب میں ہم نے اصول حدیث کے لحاظ سے ہر ہر روایت کو پرکھنے کے بعد ہی داخل کتاب کیا ہے اور ہمارے خیال سے اس موضوع پر اس انداز کی یہ پہلی کتاب ہے ان شاء اللہ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ دوسری کتاب بھی جلد ہی طبع ہوجائے۔

اس موضوع پر بہت سارے اہل علم نے لکھا ہے ہم نے تمام دستیاب تحریروں سے استفادہ کیا ہے اور کہیں کہیں لفظ بلفظ نقل کردیا ہے۔

زیرنظر کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ حادثہ کربلا سے قبل امت مسلمہ کے خلاف جو سازشیں کی گئیں، جو عظیم شخصیات شہید ہوئیں ان کے پیچھے جس گروہ کا ہاتھ تھا وہی گروہ میدان کربلا میں بھی ہمارا دشمن تھا جس نے کربلا کے بعد اہل بیت کی محبت کا سہارا لیکر خود کو روپوش کرلیا ہے۔

حادثہ کربلا کے موضوع پر کچھ لکھنا یا بولنا بڑا ہی نازک اور مشکل کام ہے، ہم قارئین کے تاثرات اور اہل علم کی تعلیقات کے منتظر رہیں گے۔

ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی



باب اول: حادثہ کربلا کا پس منظر

(یہود کی قاتلانہ سازشیں)

فصل اول: (یہود اورقتل انبیاء علیھم السلام)

ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، اسحاق علیہ السلام اوراسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کا دوسرانام اسرائیل تھا[مختصر تاریخ اسلام:ص۲۹]اسی طرح یعقوب علیہ السلام کا نام بھی اسرائیل ملتاہےاس لئے ان کی اگلی نسل بنی اسرائیل کے نام سےمشہور ہوئی۔

بنی اسرائیل جنہیں یہود کے نام سے جانا جاتا ہے یہ ابتداء ہی سے شدت پسند اورانتہائی سفاک واقع ہوئے ہیں، ان کی پوری تاریخ قتل انسانیت سے بھری پڑی ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ عام انسانوں کے خلاف قتل کی خونیں سازشیں رچیں بلکہ ان میں بھی افضل ترین جماعت انبیاء علیہم السلام تک کوبھی اپنے قاتلانہ حملوں کا نشانہ بنایااوران میں سے بعض کو شہید بھی کرڈالا[۲/بقرہ:۵۱]جب کہ بعض کواللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے بچالیااوران کے شر سے محفوظ رکھا۔

یوسف علیہ السلام کے قتل کی سازش:

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسرائیلی ہی تھے جنہوں نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے خلاف قتل کی سازش کی اور بالآخرانتہائی بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ انہیں ایک خوفناک کنویں میں ڈھکیل دیااورشام کوروتے ہوئے اپنے والدمحترم کے پاس پہنچے اورایک من گھڑت کہانی پیش کردی، خودہی قتل کی سازش کی اورخودہی ماتم بھی کیایہ ان کی بہت قدیم عادت ہے۔(سورہ یوسف:۔۱۰تا۱۸)۔

زکریا علیہ السلام کی شہادت:

قرآن میں یہود کے ہاتھوں جن انبیاء کی شہادت کا تذکرہ ہے تفاسیر وتاریخی کتب میں ان کے ناموں میں زکریاعلیہ السلام کا نام بھی آتا ہے[تفسیر الطبری :۔۳۵۷/۱۷،البدایة والنهایة:۔ ۵۲/۲]۔

خود یہودیوں کی تاریخی کتابیں بھی ان کے سیاہ کارناموں پر شاہد ہیں، چنانچہ ان کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکریاعلیہ السلام کوشاہد یہوداہ یوآس کے حکم سے عین ہیکل میں مقدس اورقربان گاہ کے

درمیان سنگسار کر دیا گیا۔

یحیٰی علیہ السلام کی شہادت:

یحیٰ علیہ السلام کا نام بھی ان انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں ملتا ہے جو یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے۔عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

مَنْ أَنْكَرَ الْبَلَاءَ فَإِنِّي لَا أُنْكِرُهُ، لَقَدْ ذُكِرَ لِي إِنَّمَا قُتِلَ يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا فِي زَانِيَةٍ كَانَتْ جَارِيَةً هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُ الْبَصْرِيِّينَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ مُسْنَدًا

یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یحیی علیہ السلام نے ایک بدکار عورت کو برائی سے روکا جس کے سبب انہیں قتل کر دیا گیا[المستدرك للحاكم:٦٤٠/٣،رقم: ٦٣٤٨ و ایضا رقم:٣١٤٦ صححه الحاكم على شرط الشيخين ووافقه الذهبی، نیز دیکھئے:البداية والنهاية ط إحياء التراث: ٦٤/٢]۔

خود یہودیوں کی تاریخی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یحیی علیہ السلام کو یہودیہ کے فرماں رواہیر دویس کے حکم سے قتل کیا گیا اوران کا سر بادشاہ نے ایک تھال میں رکھ کر اپنی معشوقہ کو نظر کیا۔

شعیا علیہ السلام کی شہادت:

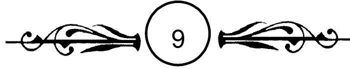
امام بیضاوی (المتوفی:٦٨٥ھ) کہتے ہیں:

مَرَّتَيْنِ إِفْسَادَتَينِ أولاهُمَا مُخَالِفَةً أحْكَام التَّورَاة وَقَتل شعيَاءَ وقِيلَ أرْمِيَاءَ وَثَانِيهُمَا قتل زَكرِيَّا وَيحْيٰى وَقَصْدُ قَتل عِيسٰى.

یعنی بنو اسرائیل نے جو دو مرتبہ فساد برپا کیا تو ان میں سے پہلا فساد توریت کے احکام کی مخالفت اور شعیا علیہ السلام کا قتل ہے اور بعض کے بقول ان کا نام ارمیا علیہ السلام ہے، اور دوسرا فساد زکریا اور یحیی علیہما السلام کا قتل اور عیسی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ ہے[تفسير البيضاوی: ٢٤٨/٣]۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

یہ اشارہ ہے اس ذلت وتباہی کی طرف جو بابل کے فرمانروا بخت نصر کے ہاتھوں، حضرت مسیح علیہ



السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یروشلم میں نازل ہوئی اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنالیا اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے اللہ کے نبی حضرت شعیا علیہ السلام کو قتل کیا یا حضرت ارمیا علیہ السلام کو قید کیا[احسن البیان:۔تفسیر بنی اسرائیل: آیت:۵]۔

عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش:

یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی بھی پوری کوشش کی اور اپنے زعم کے مطابق انہیں سولی پر لٹکا بھی دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بچالیا اور اپنی خاص مہربانی سے آپ کو اپنے پاس اٹھالیا۔[٤/النساء:۔ ١٥٧، ١٥٨]۔

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش:

یہودیوں نے امام الانبیاء، رحمۃ للعالمین کے قتل کی بھی سازش کی اور اسے عملی جامہ بھی پہنایا، چناچہ انہوں نے زینب بنت حارث نامی ایک یہودیہ عورت کا انتخاب کیا اور اس کے ہاتھوں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بکری کا گوشت پیش کیا جو کہ زہر آلود تھا، آپ ﷺ اور بشر بن براء نامی ایک صحابی نے گوشت کو چکھ لیا، صحابیِ رسول زہر کے اثر سے انتقال کر گئے، لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے بچالیا، البتہ وفات کے وقت آپ ﷺ اس زہر کے اثرات کو محسوس کر رہے تھے۔[فتح الباری:۔شرح الاحادیث:۳۱۶۹، ۴۲۴۹، ۵۷۷۷]۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا فَقِيلَ: أَلاَ نَقْتُلُهَا، قَالَ: لاَ، فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں زہر ملا ہوا بکری کا گوشت لائی، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا (لیکن فوراً ہی فرمایا کہ اس میں زہر پڑا ہوا ہے) پھر جب اسے لایا گیا (اور اس نے زہر ڈالنے کا اقرار بھی کرلیا) تو کہا گیا کہ کیوں نہ اسے قتل کردیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس زہر کا اثر میں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے تالو میں

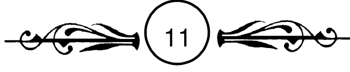
محسوس کیا[صحیح البخاری:۔۱٦۳/۳رقم:۲٦۱۷]۔

عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه، أَنَّ امْرَأَةً يَهُودِيَّةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ: أَرَدْتُ لِأَقْتُلَكَ، قَالَ: مَا كَانَ اللهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلَى ذَاكِ قَالَ: أَوْ قَالَ عَلَيَّ قَالَ قَالُوا: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس زہر ملا کر بکری کا گوشت لائی تو آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا۔ پھر وہ عورت آپ ﷺ کے پاس لائی گئی تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ وہ بولی کہ میں آپ ﷺ کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اتنی طاقت دینے والا نہیں (کہ تو اس کے پیغمبر کو ہلاک کر سکے)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (یہ آپ ﷺ کا اس پر رحم تھا اور اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ آپ ﷺ پیغمبر برحق تھے ورنہ اگر بادشاہ ہوتے تو اس عورت کو قتل کراتے) راوی نے کہا کہ میں ہمیشہ اس زہر کا اثر آپ ﷺ کے حلق کے کوے میں پاتا رہا۔[صحیح مسلم:۔۱۷۲۱/٤رقم: ۲۱۹۰]۔

❁ فصل دوم: (یہود اور قتل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

انبیاء علیہم السلام کے بعد سفاک یہودیوں نے جس مقدس گروہ کا خون بہایا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ ہے، رسول اکرم ﷺ نے جس دن سے اسلام کی دعوت پیش کی یہودی اسی دن سے آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے بلکہ ان لوگوں کے خون کے بھی پیاسے ہو گئے جنھوں نے آپ ﷺ کی اتباع کی، یہودیوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متعدد خونی سازشیں رچیں، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے فتح و نصرت مسلمانوں کا مقدر رہی، اور یہودیوں کو منہ کی کھانی پڑی، لیکن عہد نبوی کے بعد مسلمان ان کی سازشوں سے نہ بچ سکے، یہودیوں نے پے در پے



ان کے خلاف متعدد سازشیں کیں، جس کے شکار ہو کر نہ صرف عام صحابہ کرام بلکہ وہ اجلہ صحابہ بھی شہید ہو گئے جن کو زبان رسالت سے جنت کی بشارت ملی تھی۔

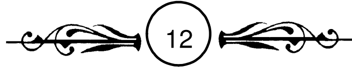
خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت:

عبداللہ بن سبا ان یہودیوں میں سر فہرست تھا جو اسلام کا چولا پہن کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلا رہا تھا، اس کی تمام تر توجہ اسلامی عقائد پر شک وشبہ کا اظہار کرنا، اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی احادیث تیار کرنا تھا، اس ملعون یہودی نے ایک طرف مسلمانوں کے خلاف نظریاتی اور عقائدی جنگ چھیڑی اور دوسری طرف ان کے خلاف قاتلانہ منصوبے بھی تیار کئے، اس خبیث نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام دشمن عناصر کے ساتھ مل کر شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور اس منصوبے کے نفاذ کے لئے اس نے ایران کے ایک آتش پرست غلام ابولولو کا انتخاب کیا، ابولولو ویسے ہی اسلام کے خلاف بطور عمومی اور خلیفہ کے خلاف بطور خصوصی عداوت کے جذبات رکھتا تھا کیونکہ فاروق اعظم ہی کے دور سعود میں اسلامی سپاہ نے ایران کے آتش کدوں کو ٹھنڈا کر کے ایوان کسریٰ کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔

مذکورہ مجوسی غلام جو مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھا، اس کے اندر چھپے ہوئے شر کا استعمال ابن سباء سے زیادہ کون کر سکتا تھا، بہر کیف اس مجوسی غلام نے ابن سباء کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خلیفہ دوم پر ایک زہر آلود خنجر سے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ [حقیقت رافضیت: ۔ص:۲۵۴ باختصار]۔

خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت:

ابن سباء یہودی کی تخریبی سرگرمیاں رنگ لائیں اور اس سبائی ٹولے یا اس کے حامی افراد نے عثمان رضی اللہ عنہ پر بے جا اتہامات والزامات تراشے، ان کی تحقیقات بھی ہوئیں اور سب الزامات غلط ثابت ہوئے لیکن فتنہ کی آگ نہ دبی، بالآخر ابن سباء یہودی کے حامی افراد اور اس کے چیلوں نے دار الخلافہ مدینہ طیبہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کا ان کے گھر میں محاصرہ کر کے انہیں نہایت ہی درندگی اور سفاکانہ طور سے شہید کر دیا۔ [حقیقت رافضیت: ۔ص:۲۵۵، نیز دیکھیں البدایہ: ۔ ج:۷ص:۱۸۸، طبری: ۔ج:۵ص:۱۳۰]۔



جنگ جمل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کاقتل عام:

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جلد از جلد علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تاکہ مبادا قاتلین عثمان امر خلافت پر قبضہ نہ جمالیں، پھر سبائی قاتلین عثمان نے علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ چڑھ کر بیعت شروع کردی ان کا مقصد قصاص عثمان رضی اللہ عنہ سے بچنا، امت مسلمہ کے مابین پھوٹ ڈالنا، علی رضی اللہ عنہ کی طاقت کو اپنے خلاف استعمال ہونے سے روکنا بلکہ موقع ہاتھ آتے ہی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی عثمان رضی اللہ عنہ جیسا سلوک کرنا تھا۔

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت مسلمانوں کے ایک گروہ نے ان کی سازش بھانپ لی اور ان کی نیت وارادہ کو پرکھنے کے لئے قصاص عثمان کا مطالبہ پیش کردیا، علی رضی اللہ عنہ اس پر قادر نہ تھے اس لئے انہوں نے معذرت کردی، دونوں فریق میں اختلاف ہوگیا لیکن دونوں ایک دوسرے کے اصل معاملات سے واقف نہ تھے، اس اختلاف نے جنگ کی صورت اختیار کرلی اور مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے سے ٹکرانے پر آمادہ ہوگئے، اس معرکہ میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں اس لئے اسے معرکہ جمل سے جانا گیا۔

جنگ شروع ہونے سے قبل صلح کی کوشش کی گئی، اہل جمل نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ دہرایا، علی رضی اللہ عنہ کے گروہ نے اسے قبول کیا مگر اس پر عمل کو حالات کے پرسکون ہوجانے تک ملتوی کردیا، اہل جمل نے اس تجویز کو منظور کرلیا کیونکہ ان کا مقصد بہرحال اصلاح ہی تھا نہ کہ لڑائی جھگڑا، دونوں گروہ میں اتحاد واتفاق کی اس صورت سے بے حد خوشی ہوئی۔ فَفَرِحَ هٰؤُلاءِ وَهٰؤُلاء. [البداية والنهاية:۔۲۳۸/۷]۔

صلح کی یہ صورت دیکھ کر سبائی فتنہ پرداز گھبرا گئے، انہوں نے صلح کو فساد میں بدلنے کے لئے باہم مشورہ کیا اور کہنے لگے، وَرَأْيُ النَّاسِ فِينَا وَاللّٰهُ وَاحِدٌ، وَإِنْ يَصْطَلِحُوا وَعَلِيٌّ فَعَلَى دِمَائِنَا.

''ہم لوگوں کے بارے میں ان کی رائے ایک ہے ان میں اگر باہم صلح ہوئی تو ہمارے خون

پرہوگی' [تاریخ الطبری:۔٤٩٣/٤]۔

سبائی فتنہ پردازوں کی نیندیں حرام ہوگئیں،ایک پل کے لئے نہ سوئے،ساری رات مشورہ کرتے رہے،**وَجَعَلُوا يَتَشَاوَرُونَ لَيْلَتَهُمْ كُلَّهَا.** [تاریخ الطبری:۔٥٠٦/٤]۔

عبداللہ بن سباء جواس گروہ کا بانی اورسرغنہ تھااس نے کہا سب سے بہترصورت یہ ہے کہ کل جب دونوں گروہ باہم ملیں تو چپکے سے جنگ کی آگ بھڑکادی جائے اورانہیں غوروفکر کا موقع ہی نہ دیا جائے، **إِذَا الْتَقَى النَّاسُ غَدًا فَأَنْشِبُوا الْقِتَالَ، وَلَا تُفَرِّغُوهُمْ لِلنَّظَرِ.** [تاریخ الطبری:۔٤٩٤/٤]۔

چنانچہ رات کی تاریکی ابھی چھٹنے بھی نہ پائی تھی کہ انہوں نے اچانک اہل جمل پر حملہ کردیا،اہل جمل نے سمجھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ہی دھوکہ میں رکھ کراس طرح اچانک حملہ کردیا یہی خیال علی رضی اللہ عنہ کے گروہ نے اہل جمل سے متعلق قائم کیا،چنانچہ اسی وقت ہردوفریق کے مابین انتہائی خونریز جنگ بھڑک اٹھی،دشمنان اسلام کے لئے صحابہ کرام کوچن چن کرقتل کرنے کا موقع مل گیاانہوں نے خاص طور سے ایسے صحابہ کونشانہ بنایا جن کے بارے میں مشہورتھا کہ اللہ کے رسولﷺ کوان سے خاص وابستگی تھی یا آپ نے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی،چنانچہ طلحہ وزبیررضی اللہ عنہما شہید کردئے گئے،اورصحابہ کی ایک بڑی تعدادسبائی یہودی سازش کا شکارہوکرشہید ہوگئی۔ [خلاف و ملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت:۔ص:۳۱۹ تا۳۲۸ باختصار]۔

جنگ صفین میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا قتل عام:

جنگ جمل میں سبائی یہودیوں نے اکابرصحابہ کوچن چن کرقتل کیااس کے بعدبھی ان کے تلواروں کی پیاس نہ بجھی،انہوں نے ایک دوسری سازش رچی اورتمام ترجھوٹ اورمکروفریب اورغلط بیانی سے کام لیتے ہوئے علی اورمعاویہ رضی اللہ عنہما کوایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا،یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف آمادہ جنگ ہوگئے،اورصفین کے مقام پر دونوں کی فوجوں میں گھمسان کی جنگ شروع ہوئی دونوں طرف سے صحابہ کرام کی بڑی تعدادشہید ہوئی۔ تفصیل کے لئے دیکھیں:[عاشورامحرم ازعبیداللہ رحمانی وخلاف وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت جنگ صفین کی تفصیلات]۔

فصل سوم :(یہود اور قتل اہل بیت رضی اللہ عنہ)

خون پرست یہودیوں نے جمل وصفین کے معرکوں میں دل کھول کر اپنی تلواروں کی پیاس بجھائی اور صحابہ کرام میں سے ایک جم غفیر کو شہید کر ڈالا، اس کے بعد انہوں نے اپنی خونی سازشوں کا رخ اہل بیت کی طرف موڑ دیا اور شہادت علی رضی اللہ عنہ سے لیکر حادثہ کربلا تک ان سبائی یہودیوں نے اپنی خونریز تاریخ اہل بیت کے خون سے لکھی۔

خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جنگ صفین کے بعد یہودی سبائی گروہ نے اپنی شیطنت کی انتہاء کردی بالآخر وہی ہوا جس کا اندیشہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم نے ظاہر کیا تھا، دراصل ان میں سے کوئی بھی اصلاً علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کا منکر نہ تھا، اور قصاص عثمان کا مطالبہ سبائیوں سے نظام خلافت اور علی رضی اللہ عنہ کے تحفظ کی خاطر تھا، اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ بھی سبائیوں کے نرغے میں آ چکے ہیں اور جلد یا دیر ان کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو خلیفہ سوم کا ہوا، ان کا یہ اندیشہ اپنی جگہ پر بالکل درست ثابت ہوا، سبائیہ مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہود کی سازشی ایجنسی تھی جس کا کام ہی اسلام کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنا اور مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے سے لڑانا تھا۔

چنانچہ سبائی گروہ سے خوارج کے نام سے ایک فرقہ نمودار ہوا جس نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو علانیہ کافر ومرتد قرار دیا، دوسری طرف اسی گروہ سے شیعان علی کے نام سے ایک غالی فرقہ نمودار ہوا جو روافض کہلائے، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ مان کر ان کے مختار کل ہونے کا اعلان کردیا، اور خود کو صحابہ واہل بیت سے الگ کرلیا، اس طرح سبائیت کے ان دونوں گروہوں نے مل کر پوری ملت اسلامیہ کو کافر ومرتد قرار دے دیا اور پورے دین وایمان اور اسلام وقرآن کی نفی کردی۔ [عاشوراءمحرم:۔ص:۱۳۱ ایضاً ص:۴۰ باختصار]۔

ان دونوں گروہوں کے بانی ابن سباء نے خوارج کو علی رضی اللہ عنہ (جن کو وہ اپنا معبود کہا کرتا تھا)

کے خلاف بغاوت پر ایسا ابھارا کہ یہ بغاوت ان کے لئے موت کا پیغام بن گئی اور وہ بھی اسی سبائی سازش کا شکار ہو کر جام شہادت نوش کر گئے ۔[حقیقت رافضیت :۔ص:۲۲۵]۔

نواسہ رسول حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت:

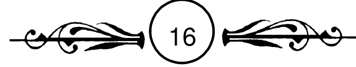
علی رضی اللہ عنہ کے بعد عرب کے تمام صوبے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے، صرف ایک صوبہ عراق باقی تھا، جو سبائی فتنوں کا سب سے بڑا مرکز بنا، اہل کوفہ و عراق بنو امیہ کے کسی ایک فرد کو بھی اپنا خلیفہ و امام ماننے پر تیار نہ تھے چنانچہ وہ اس بات پر بضد تھے کہ معاویہ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہ کر کے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امام بنائیں گے چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کو کسی اور متوقع فتنہ سے بچانے کے لئے محض مصلحتاً ان کی یہ پیش کش قبول کر لی اور ان سے سمع و طاعت کی بیعت لے لی۔

حسن کے خلیفہ بن جانے کے بعد سبائیوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب بھڑکایا اور ایک بار پھر کوشش کی کہ جمل و صفین کی تاریخ دہرائی جائے اور امت مسلمہ کے خون سے ہولی کھیلی جائے ، لیکن نواسہء رسول حسن رضی اللہ عنہ نے سبائی فتنہ پردازوں کی اس سازش کو بھانپ لیا اور بہت ہی سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت سے دست بردار ہو گئے ۔

اس طرح حسن رضی اللہ عنہ کی دانشمندی سے امت مسلمہ ایک بار پھر جنگ و جدال سے بچ گئی اور پوری مملکت اسلامیہ میں امن وامان کا دور دورہ ہو گیا، اور امن کے اس سال کو عام الجماعۃ یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہا گیا۔

یاد رہے حسن رضی اللہ عنہ کے اس نیک اقدام کی پیشین گوئی خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کر رکھی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی[بخاری: ٢٧٠٤]۔

سبائی یہودیوں نے جب دیکھا کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے ناپاک عزائم کو اس طرح ناکام بنا دیا ہے تو وہ بہت برہم ہوئے انہوں نے آپ کو امیر المؤمنین کے بدلہ اب مذل المؤمنین ، عار المؤمنین ، مسود



وجوہ المؤمنین جیسے بدترین خطابات سے نوازا اور آپ سے انتقام لینے کی ٹھان لی، لیکن ظاہر ہے کہ اس صلح کے بعد اگر وہ حسن رضی اللہ عنہ کو علانیہ طور پر قتل کرتے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے غیض وغضب کا نشانہ بنتے اور قصاص سے کسی طرح بھی نہ بچ سکتے، لہٰذا ان سبائی یہودیوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔[عاشورا محرم: ص:۳۲ تا ۳۵ باختصار]۔

نواسہ رسول حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت:

سبائی درندے جب مسلمانوں کے بیچ خونریزی پھیلانے کیلئے حسن رضی اللہ عنہ کا استعمال نہ کر سکے تو انہوں نے آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا اب آپ کی شہادت کے بعد سبائی یہودیوں کی نگاہیں حسین رضی اللہ عنہ کی طرف مرکوز ہوگئیں، وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت بہت کارآمد ہے، لیکن چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی دور اندیش اور معاملہ فہم شخص تھے، اس لئے جب تک وہ زندہ تھے، سبائیوں کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کے خلاف کوئی سازش کرتے، اس لئے سبائی خاموشی کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کا انتظار کرنے لگے، کہ جوں ہی یہ دنیا سے رخصت ہوں گے اس کے بعد ہی حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی وقتل وغارت گری عام کر دی جائے گی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی سبائیوں کے اس ناپاک ارادے کو بھانپ لیا اور انہیں اندیشہ ہوا کہ ان کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلہ کو لیکر پھر امت مسلمہ کو لڑایا جا سکتا ہے، اس لئے انہوں نے سوچا کہ اپنی زندگی ہی میں یہ مسئلہ بھی حل کر دیا جائے تاکہ ان کی وفات کے بعد بھی فتنہ کا سد باب ہو جائے، اور سبائیوں کے سامنے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانے کا کوئی راستہ نہ رہے، لیکن جب یہ مسئلہ حل ہوا تو اتفاق سے امیر معاویہ کے بیٹے یزید رحمہ اللہ ہی کی شخصیت پر سب نے اتفاق کر لیا اور انہی کو نامزد کر دیا گیا۔

اس کے بعد بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں سبائی حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے فتنہ نہ برپا کریں اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ:



وأما الحُسَيْن بن على فإن أهل العراق لن يدعوه حَتَّى يخرجوه، فإن خرج عَلَيْک فظفرت بِهِ فاصفح عنه

''مجھے خدشہ ہے کہ اہل عراق (سبائی) خاموش نہیں بیٹھیں گے، بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارے خلاف بھڑکائیں گے، اور وہ ان کی باتوں میں آجائیں اور تم ان پر قابو پا جانا تو انہیں معاف کر دینا'' [تاریخ الطبری:٥/٣٢٢]

چنانچہ وہی ہوا جس کا اندیشہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ظاہر کیا تھا جوں ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی فوراً ہی سبائی حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑ گئے اور حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کی سازش کو سمجھ گئے اس لئے شروع شروع میں انکار کر دیا لیکن جب ان کی طرف سے مسلسل خطوط آنے لگے تو حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرانے کا پروگرام بنالیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ کسی طرح اس فتنہ کو ختم کرنا ہے اور امت مسلمہ کو ایک بار پھر خونریزی سے بچانا ہے، بلکہ بغاوت کے اس فتنہ کو جڑ سے ختم کرنا ہے۔

یہ بات حسین رضی اللہ عنہ نے صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی اور جب یزید رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ کو خط لکھا کہ حسین کو کوفہ جانے سے روکیں تو ابن عباس رضی اللہ نے یزید کو بھی حسین رضی اللہ عنہ کے اصل مشن سے آگاہ کر دیا، جس کے بعد یزید رحمہ اللہ خاموش اور مطمئن ہو گئے۔[الطبقات الکبری :١/٤٥٠ ، تاریخ مدینة دمشق :١٤/٢١٠ ، بغیة الطلب فی تاریخ حلب:٦/٢٦١١ ، البدایة والنهایة:٨/١٦٤ ، تهذیب الکمال للمزی:٦/٤٢٠، سیر أعلام النبلاء للذهبی:٣/٣٠٤ وسیاتی لفظه]۔

لیکن جب حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے قریب پہنچے تو حالات کچھ اور تھے وہ سمجھ گئے کہ کوفی وسبائی یہودیوں پر کنٹرول حاصل کرنا آسان نہیں اس لئے انہوں نے یزید کے پاس جانے کی اجازت مانگی، عبیداللہ ابن زیاد نے اجازت دے دی اور حسین رضی اللہ عنہ شام روانگی کے لئے تیار ہو گئے، مگر خطوط بھیجنے والے کوفی سمجھ گئے حسین رضی اللہ عنہ ہماری موت کا پیغام یزید کے پاس لے جا رہے ہیں، اس لئے

ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ پر حملہ کر کے خطوط جلا دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا خیر خواہان حسین رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دی اور ان کی اکثریت شہید ہوگئی مگر پھر بھی وہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ پر قابو نہ پا سکے، اس طرح حسین رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کی بیچ اتحاد و اتفاق کی کوشش میں شہید ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پس منظر یہود کی خونی تاریخ ہے، شہادت حسین سے قبل، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، خلفاء راشدین اور اہل بیت کی شہادتوں کا ایک سلسلہ ہے، حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، یعنی حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے نانا رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر شہید کرنے کی کوشش کی، حسین رضی اللہ عنہ کے بہنوئی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے خالو عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، یہی حادثہ کربلا کا حقیقی پس منظر ہے اور حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا کے شوہر کو جب اسی ٹولے نے شہید کیا تو انہوں نے اس پورے پس منظر کو چند لفظوں میں سمیٹتے ہوئے کہا:

قتلتم أبي (حسين)، وجدّي (علي)، وأخي (ابن الحسين)، وعمي (حسن)، وزوجي، أيتمتموني صغيرة، وأيّمتموني كبيرة۔

اے اہل کوفہ تم ہی نے میرے والد (حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے دادا (علی رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے بھائی (ابن الحسین) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے شوہر کو قتل کیا، تم لوگوں نے مجھے بچپن میں یتیم بنا ڈالا، اور بڑے ہونے پر بیوہ کر دیا[العقد الفريد:۲۷۷/۷]۔



باب دوم: حادثہ کربلا کی روداد

فصل اول: حادثہ کربلا اور تاریخی روایات

(الف): روایات کربلا کی حقیقت:

حادثہ کربلا کا مرجع تاریخی روایات ہیں جن کی جمع وتحقیق میں وہ اہتمام نہیں ہوا جو احادیث کے باب میں ہوتا ہے، مزید یہ کہ اکثر تاریخی روایات کے بیان کرنے والے ایسے رواۃ ہیں جو ضعیف ہی نہیں بلکہ کذاب اور شیعہ ہیں، اور مؤرخین نے حادثہ کربلا کے بیان میں ان سب کی مرویات یکجا کردی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''وَقَد صَنَّفَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْقُدمَاءِ فِی مَقْتَلِ الْحُسَیْنِ تَصَانِیْف فِیْهَا الغث وَالسمیْن وَالصَّحِیح وَالسَّقِیْم.

اور متقدمین نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں رطب ویابس، صحیح وغلط سب موجود ہے'' [الإصابة لابن حجر:۔۲/۸۱]۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے وہ زیادہ تر نوحہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ وبکا کی حالت پیدا کردینا ہے نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات''۔[شہید اعظم:ص:۶]۔

واضح رہے کہ تاریخی روایات سے متعلق جو ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں ہر طرح کی رطب ویابس سچ اور جھوٹ کو بھر دیا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اگر ان تاریخی روایات کے لکھنے والے مؤرخین کے سامنے کہتے تو وہ کوئی صفائی دے سکتے بلکہ ان مؤرخین نے تو خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی ان کتابوں میں ایسی روایات مل سکتی ہیں جو نہ تو کسی طرح صحیح ہوسکتی ہیں، اور نہ ہی کسی طرح سمجھ میں آسکتی ہیں، مثال کے طور پر تاریخ طبری ہی کو لیں، جس میں حادثہ کربلا کی سب سے

زیادہ تفصیلات ہیں، اس کے متعلق خود امام طبری بیان کرتے ہیں:

فَمَا يَكُنْ فِيْ كِتَابِيْ هٰذَا مِن خَبُر ذَكَرنَاهُ عَن بَعضِ المَاضِينَ مِمَّا يَستَنكِرهُ قَارِئه، أوْ يستَشنَعه سَامِعَه، مِنْ أجلِ أنَّه لَمْ يعْرِفْ لَهُ وَجْهاً فِي الصِّحَةِ، وَلا مَعْنى فِي الْحَقِيْقَةِ، فَلْيَعْلَمْ اَنَّـهُ لَـمْ يـؤْتَ فِي ذٰلِکَ مِنْ قِبْلِنَا، وَإنَّمَا أتى مِنْ قِبَلِ بَعْض نَاقِلِيْه إلَيْنَا، وَإنا إنَّمَا أديْنَا ذٰلِکَ عَلٰى نَحوِ مَا أدى إلَيْنَا.

ترجمہ: ''ہماری اس کتاب میں جو بعض ایسی روایات ہیں جنہیں ہم نے پچھلے لوگوں سے نقل کیا ہے، جن میں ہماری کتاب پڑھنے والے یا سننے والے اس بنا پر نکارت وشناعت محسوس کریں گے، کہ اس میں انہیں صحت کی کوئی وجہ اور معنی میں کوئی حقیقت نظر نہ آئے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا اندراج ہم نے خود اپنی طرف سے نہیں کیا ہے بلکہ اس کا منبع وہ ناقل ہیں جنہوں نے وہ روایات ہمیں بیان کیں، ہم نے وہ روایات اسی طرح بیان کردی جس طرح ہم تک پہنچیں'' [تاریخ الطبری: ۱/۸، دیکھئے: کربلا اور اس کا پس منظر: ص۲۳]۔

عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب مذکورہ وضاحت اور امام طبری کا بالا بیان درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''غور کیجئے! کہ جب مؤرخ کا دامن اتنا وسیع ہو کہ موٹی اور دور سے نظر آنے والی اعجوبگی کے ساتھ بھی ایک روایت کو اس کے یہاں بے چوں چرا جگہ مل سکتی ہے تو پھر راویوں کی کون سی غلطی، مبالغہ آرائی یا غلط بیانی رہ جاتی ہے جس کی توقع ہمیں اپنے ان مؤرخین کی کتابوں میں نہیں کرنی چاہئے؟ خاص کر کربلا جیسے واقعات جن سے جذبات متعلق ہوتے ہیں تعصّبات متعلق ہوتے ہیں، اور مثبت ومنفی مفادات بھی متعلق ہوتے ہیں'' [کربلا اور اس کا پس منظر: ص۲۳]۔

الغرض روایات کربلا کی حقیقت یہ ہے کہ ان میں محدثانہ اصول نہیں برتے گئے، اس لئے اپنے مفاد کے لئے ان میں من مانی تحریفیں کی گئیں، نیز وافر مقدار میں فرضی واقعات بھی شامل کر لئے گئے ہیں، اس لئے ان کے مطالعہ کے وقت انتہائی محتاط اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔

(ب): روایات کربلا اور متضاد بیانات:

روایات کربلا کی صرف یہی ایک خصوصیت نہیں ہے کہ ان کا اکثر حصہ من گھڑت اور غیر مستند ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسری مصیبت یہ بھی ہے کہ واضح تضاد اور تعارض جگہ جگہ موجود ہے۔



جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

''**متضاد روایتوں والے** اس واقعے کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے، ہمارا کہنا صرف اپنے مطالعہ کے نتیجے کے طور پر ہے'' [واقعہ کربلا: ص ۲۸۸]۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''ایک تو تاریخ کی **متضاد روایتوں نے** واقعات کو بہت الجھا دیا ہے دوسرے اس سیاسی نوعیت کے واقعہ کو مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس پر کھل کر گفتگو کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہو گیا ہے، ہم تاریخی تضاد کے انبار سے اگر حقیقت کی چہرہ کشائی کریں تو یہ راستہ طویل بھی ہوگا اور پھر بھی شاید آپ کے لئے ناقابل قبول، کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تاریخی روایت کا ایک پہلو ہے جبکہ روایات کا دوسرا پہلو اس کے برعکس ہے،'' [رسومات محرم: ص:۴۹]۔

جب بات ایسی ہے کہ روایات کربلا میں دونوں پہلو کی روایات موجود ہیں، ایک پہلو تو وہ ہے جس سے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی منقبت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یزید اور ان کے ساتھیوں پر جرح ہوتی ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے جس سے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر حرف آتا ہے اور یزید اور ان کے ساتھیوں کی براءت ثابت ہوتی ہے، تو آخر کیا وجہ ہے ان میں سے کسی ایک ہی پہلو کو منتخب کر لیا جائے اور مخالفین پر سب وشتم شروع کر دیا جائے۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں اسی جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے جس کے جواب میں حافظ صلاح الدین یوسف نے بجا طور پر لکھا:

''ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تمام نکتہ سنجیاں محض انہیں روایات کو صحیح باور کرانے کے لئے کیوں ہیں، جو حضرت عثمان وحضرت معاویہ کی مجرم گردانتی ہیں؟ یہ نکتہ سنجیاں آخر ان تاریخی روایات کی صحت کے لئے کیوں نہیں ہو سکتیں جو حضرت علی وحسین کے کردار کو بھی مجروح کرتی ہیں'' [خلافت وملوکیت کی شرعی حیثیت: ص:۱۹۳]۔

کربلا کی متضاد روایات کی بابت بھی لوگوں میں یہی بے انصافی عام ہے چنانچہ وہ تمام روایات قابل قبول سمجھ لی جاتی ہیں جن میں حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت اور یزید پر سب وشتم کی بات ہوتی ہے اور جن روایات میں حسین رضی اللہ عنہ پر جرح ہوتی ہے اور یزید کی طرفداری ہوتی ہے وہ روایتیں مطلقاً رد کر دی جاتی ہیں۔



ہمارے نزدیک چاہے حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہو یا یزید رحمہ اللہ کا، ان میں سے کسی پر بھی اگر سب وشتم یا کسی طرح کی جرح والی روایت ملتی ہے تو وہ ہمارے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں کیونکہ ان روایات کی حقیقت ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔

(ج): روایات کربلا سے متعلق معتدل موقف:

روایات کربلا سے متعلق کوئی بھی موقف اپنانے سے پہلے درج ذیل تین باتیں پیش نظر رکھنی ضروری ہیں:

(۱) روایات کربلا میں ایسے لوگوں کے اعمال واخلاق کا تذکرہ بھی آتا ہے جن کا مسلمان ہونا متحقق ہے اور مسلمانوں کے آپسی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی بے عزتی وکردار کشی نہ کریں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا.

یقیناً تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے اور اس شہر میں ہے [صحيح البخاري:۔ ۱/۲٤ رقم:٦٧]۔

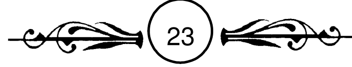
(۲) روایات کربلا میں جن مسلمانوں کا تذکرہ آتا ہے ان کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جس دور کے ہیں اس دور کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی شہادت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.

سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے [صحيح البخاري:۔ ۳/۱۷۱ رقم:٢٦٥٢]۔

(۳) روایات کربلا میں ایسے صحابہ وتابعین کا تذکرہ بھی آتا ہے جن کے فضائل ومناقب مسلم ہیں۔

جب بات ایسی ہے کہ روایات کربلا ایسے لوگوں کے کردار سے بحث کرتی ہے جن میں مسلمان ہیں،



صحابہ وتابعین ہیں، اور قرون مشہود لھا بالخیر کے لوگ ہیں، تو ان روایات کے سلسلے میں انتہائی محتاط رہنا چاہئے، کیونکہ یہ روایات اسنادی حیثیت سے اس معیار کی نہیں ہیں، کہ ان پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لیا جائے، خواہ ان کا بیان کچھ بھی ہو، بلکہ ان کی حقیقت ونوعیت کیا ہے، گزشتہ سطور میں ہم اسے واضح کر چکے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

"لَمْ يَجُزْ لِأَحَدٍ أَنْ يَحْتَجَّ فِي مَسْأَلَةٍ فَرْعِيَّةٍ بِحَدِيثٍ حَتَّى يُبَيِّنَ مَا بِهِ يَثْبُتُ، فَكَيْفَ يَحْتَجُّ فِي مَسَائِلِ الْأُصُولِ، الَّتِي يَقْدَحُ فِيهَا فِي خِيَارِ الْقُرُونِ وَجَمَاهِيرِ الْمُسْلِمِينَ وَسَادَاتِ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ الْمُقَرَّبِينَ، بِحَيْثُ لَا يَعْلَمُ الْمُحْتَجُّ بِهِ صِدْقَهُ؟

ترجمہ: "کسی شخص کے لئے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اسے صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ان اصولی مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان، اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیاء (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطور حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق ہی نا معلوم ہو" [منهاج السنة النبوية:۔ ٦١/٧]۔

قاضی ابوبکر بن العربی، المالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

"أَنَّكُمْ لَا تُقْبَلُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ فِي دِينَارٍ، بَلْ فِي درهمٍ، إِلَّا عَدْلًا بَرِيئًا مِّنَ التهمِ، سَلِيمًا مِنَ الشَّهْوَةِ فَكَيْفَ تقْبلُونَ فِي أَحْوَالِ السَّلَفِ وَمَا جرى بَيْنَ الْأَوَائِلِ مِمَّن لَيْسَ لَه مَرتَبَةٌ فِي الدِّيْنِ، فَكَيفَ فِي الْعَدَالَةِ!

"جب تم اپنے خلاف دینار و درہم تک کا دعویٰ اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ مدعی عادل، تہمتوں سے پاک اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو تو پھر تم سلف کے احوال اور صحابہ کرام کے مابین ہونے والے واقعات کے متعلق ان لوگوں کی روایت کس طرح قبول کر لیتے ہو جن کی عدالت تو کجا سرے سے جن کا دین ہی میں کوئی مقام نہیں ہے" [العواصم من القواصم الأ وقاف السعودية:۔ص:۲۵۲]۔

لہٰذا کربلا کی وہ روایات قطعاً قابل قبول نہیں ہیں جو شان صحابیت اور تابعین کے بلند معیار پر پورا نہیں اترتیں، خواہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ سے ہو یا یزید رحمہ اللہ سے، علاوہ بریں، کربلا کی



روایات میں ایک مجموعہ روایات ایسا بھی ہے جس سے نہ تو حسین رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی یزید کی کردار کشی ہوتی ہے بلکہ اس مجموعہ روایات کی رو سے وہ تمام تر الزامات لغو قرار پاتے ہیں جو ایک دوسرے مجموعہ روایات کو بنیاد بنا کر حسین رضی اللہ عنہ یا یزید رحمہ اللہ پر عائد کئے جاتے ہیں۔

اگر روایات کربلا کی حقیقت و نوعیت کو سمجھ کر، صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کی عظمت و فضیلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ان روایات سے متعلق معتدل موقف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے ان کا صرف وہ حصہ قبول کیا جائے جو شان صحابیت اور تابعین و اسلاف کے معیار پر پورا اترتا ہو اور ان کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتا ہو، قطع نظر اس بات کے کہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے ہے یا یزید رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب سے۔

فصل دوم :حادثہ کربلا کی روداد

گذشتہ سطور میں روایات کربلا سے متعلق جو موقف پیش کیا گیا ہے اس روشنی میں حادثہ کربلا کی روداد ملاحظہ ہو:

اس حادثہ کے واقعات کو ہم درج ذیل پانچ مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

☆ پہلا مرحلہ: قیام مدینہ۔

☆ دوسرا مرحلہ: قیام مکہ۔

☆ تیسرا مرحلہ: روانگی کوفہ (مکہ سے قادسیہ تک کا سفر)۔

☆ چوتھا مرحلہ: روانگی دمشق (قادسیہ سے کربلا تک کا سفر)۔

☆ پانچواں مرحلہ: نزول کربلا، ووقوع حادثہ۔

پہلا مرحلہ: قیام مدینہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید رحمہ اللہ خلیفہ بنے، یزید کی خلافت اور ان کی بیعت کتاب وسنت کے موافق تھی جیسا کہ بخاری کی درج ذیل حدیث سے پتہ چلتا ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتْ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ.

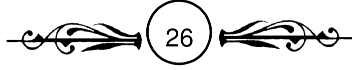
نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے پھر اس سے جنگ کی جائے، تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا، اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا[البخاری: ۱۸/۱۰، رقم: ۷۱۱۱]۔

اس روایت سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

۱: یزید کی بیعت و خلافت کتاب و سنت کے مطابق تھی۔

۲: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت توڑنے والوں پر اس حدیث رسول کو فٹ کیا ہے جس میں خلیفہ کی بیعت توڑنے کی وعید ہے۔

۳: تمام صحابہ بشمول حسین رضی اللہ عنہ اور تابعین یزید کی بیعت و خلافت سے متفق تھے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بلا استثناء وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا کہا ہے اور دوسری کوئی بھی صحیح روایت ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ یزید کی خلافت سے کسی ایک نے بھی اختلاف کیا ہے، جن روایتوں میں آتا ہے کہ ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر و حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار کیا وہ جھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ بخاری کی اس ثابت شدہ روایت کے خلاف ہے لطف تو یہ ہے کہ جھوٹی روایت میں منکرین بیعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر دیا گیا جبکہ بخاری کی صحیح روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ



بیعت کا اقرار کر رہے ہیں بلکہ اسے کتاب وسنت کے موافق بھی بتلا رہے ہیں۔

۴: جن لوگوں نے یزید کی خلافت سے اختلاف کیا تھا ان کا واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد کا تھا، گویا کہ شہادت حسین سے قبل اور اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک پوری امت مسلمہ بشمول حسین رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک شخص نے بھی یزید کے خلاف خروج نہیں کیا اور نہ ہی ان کی بیعت توڑی۔

۵: شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد جن لوگوں نے یزید سے اختلاف کیا وہ لوگ بھی پہلے بیعت کر چکے تھے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عہد شکن قرار دیا ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ یزید کی بیعت وخلافت کتاب وسنت کے موافق تھی اور پوری امت اس پر متفق تھی تو لازمی بات ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی خلافت یزید کو تسلیم کرنے والوں میں سے تھے، یزید کے با قاعدہ خلیفہ بننے کے وقت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں مقیم تھے اور اس بیچ ان کے تعلق سے کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملتی جس سے مستفاد ہو کہ انہیں خلافت یزید پر کوئی اعتراض تھا۔

بلکہ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ یزید کے با قاعدہ خلیفہ بننے کے بعد یزید کے اصحاب جب مدینہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کی رسم پوری کرنے کے لئے پہنچے تو انہوں نے بالکل انکار نہیں کیا بلکہ مجمع عام میں یہ رسم پوری کرنے کا وعدہ کیا تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی یزید کے مخالف نہیں ہیں:

وَدَعَاهُ إِلَى الْبَيْعَةِ، فَقَالَ حُسَيْنٌ: اِنَّالِلّٰهِ وَانَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَرَحِمَ اللّٰهُ مُعَاوِيَةَ وَعَظم لَکَ الْاجْر. أَمَّا مَا سَئَلتَنِي مِنَ الْبَيْعَةِ فَإِن مِثلِي لَا يعْطِى بَيْعَته سِرا وَّلَا اَرَاکَ تَجتَرءُ بِهَا مِنِّى سِرا دُونَ اَن نظهرُهَا عَلٰى رُؤُوسِ النَّاسِ عَلانِيَةً، قَالَ أجل. قَالَ: فَإِذَا خَرجتُ إِلَى النَّاسِ فَدَعَوتهُمْ إِلَى الْبَيعَةِ دَعوتنَا مَعَ النَّاسِ فَكَانَ اَمراً وَاحِداً، فَقَالَ لَه الوَلِيْدُ، وَكَانَ يُحِبُّ الْعَافِيَةَ: فَانُصَرف عَلى اسمِ اللّٰهِ حَتىّٰ تَأتِيْنَا مَع جَمَاعَةِ النَّاسِ.

ولید نے حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دی اور یزید کے لئے بیعت کی دعوت دی تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، اور تمہیں اجر عظیم



سے نوازے تم مجھ سے جو بیعت کا مطالبہ کررہے ہو تو مجھ جیسے شخص کو خفیہ بیعت نہیں کرنی چاہئے ، اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی یہاں کی گئی خفیہ بیعت کو کافی نہیں سمجھو گے جب تک میں پورے مجمع کے سامنے اس کا اعلان نہ کردوں ، ولید نے کہا جی ہاں آپ نے درست فرمایا، اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تمام لوگوں کو بلاکر بیعت لینا تو وہاں لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی بلالینا پھر تمام لوگوں کے ساتھ ہماری بیعت بھی ہوجائے گی، تو ولید نے جو عافیت پسند تھے کہا: ٹھیک ہے پھر آپ اللہ کا نام لیکر رخصت ہوں اگلی بار تمام لوگوں کے ساتھ آپ آ جایئے گا[تاریخ الطبری:۔۳۳۹/۵]۔

حسین رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں بیعت کی خواہش اس لئے ظاہر کی تاکہ یہ بات زیادہ سے زیادہ مشہور ہوجائے اور سب کو معلوم ہوجائے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مخالف نہیں ہیں، اور انہوں نے یزید کی بیعت کرلی ہے، دراصل حسین رضی اللہ عنہ سے سبائیوں نے مخالفت کی امیدیں لگا رکھی تھیں اس لئے حسین رضی اللہ عنہ بھرے مجمع میں بیعت کرنا چاہتے تاکہ یہ بات عام ہوجائے۔

یاد رہے کہ ایک ہوتا ہے خلافت کو تسلیم کرنا اور بیعت پر رضامند ہونا اور ایک ہوتا ہے بیعت کی رسم پوری کرنا، اطاعت امیر کے لئے پہلی چیز ہی کافی ہے اور دوسری چیز ایک رسمی ہے جس کا مقصد اقرار بیعت کو سب کے علم میں لانا اور اس پر مہر لگانا ہوتا ہے، موخرالذکر روایت میں جو یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہوں نے خلافت یزید کو اب تک تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ خلافت تو تسلیم کیا تھا لیکن بیعت کی رسم کا مطالبہ ہورہا تھا، جس سے حسین رضی اللہ عنہ نے قطعاً انکار نہیں کیا بلکہ مجمع عام میں اس رسم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔

اور بیعت اگر منظور ہو تو اس کی رسم کی ادائیگی میں تاخیر کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، خود حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق انہوں نے خلیفہ اول ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی رسم چھ ماہ بعد ادا کی:

بخاری کے الفاظ:

وَعَاشَتْ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيٌّ لَيْلًا، وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ وَصَلَّى عَلَيْهَا، وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وَجْهٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ، فَلَمَّا

تُوُفِّيَتِ اسْتَنْكَرَ عَلِيٌّ وُجُوهَ النَّاسِ، فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ يُبَايِعُ تِلْكَ الْأَشْهُرَ.[بخاری:۔۱۳۹/۵رقم:۴۲۴۰]۔

مسلم کے الفاظ:

وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ لَيْلًا، وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ، وَصَلَّى عَلَيْهَا عَلِيٌّ، وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وِجْهَةٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ، فَلَمَّا تُوُفِّيَتِ اسْتَنْكَرَ عَلِيٌّ وُجُوهَ النَّاسِ، فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ بَايَعَ تِلْكَ الْأَشْهُرَ.[مسلم:۔۱۳۸۰/۳رقم:۱۷۵۹]۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر علی رضی اللہ عنہ نے انہیں رات میں دفن کر دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں دی اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھ لی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہیں علی رضی اللہ عنہ پر لوگ بہت توجہ رکھتے رہے لیکن ان کی وفات کے بعد انہوں نے دیکھا کہ اب لوگوں کے منہ ان کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں۔ اس وقت انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لینا اور ان سے بیعت کر لینا چاہا، اس سے پہلے چھ ماہ تک انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی۔[بخاری:۔۱۳۹/۵رقم:۴۲۴۰، مسلم:۔۱۳۸۰/۳ رقم:۱۷۵۹]۔

صحیحین کی روایات سے معلوم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی رسم پوری نہیں کی تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت و بیعت سے انکار تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''ہر ایک شخص کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ امیر کے پاس حاضر ہو کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھے بلکہ ضروری یہ ہے کہ جب اہل حل وعقد کی طرف سے کوئی امیر منتخب ہو جائے تو وہ اس کی اطاعت قبول کر لے اور اس کی مخالفت ظاہر نہ کرے اور نہ ہی اس کی نافرمانی کرے، یہی حال علی رضی اللہ عنہ کا اس مدت (چھ ماہ کے بیچ) میں بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کی رسمی ادائیگی) سے قبل تھا کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے اس دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت ظاہر نہیں کی اور نہ ہی ان کی نافرمانی کی بلکہ انہوں نے عذر کی بنا پر حاضری (بیعت کے رسم کی ادائیگی)

میں تاخیر کی[شرح النووی علی مسلم:۔ ۷۷/۱۲]۔

ہم کہتے ہیں یہی معاملہ حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ہے انہوں نے بھی یزید کی مخالفت ظاہر نہیں کہ بلکہ مصلحتاً (جو کہ ان حالات میں ایک عذر تھا اس کے سبب) بیعت میں تاخیر کی۔

بہر حال اگلے دن وعدہ کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود رہے لیکن حکام دوسری مصروفیات کے باعث ان کی بیعت کا انتظام نہیں کر سکے اور پھر اس کے بعد والی رات کو حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے۔

فَتشَاغَلُوا عَن حُسَيْن بطلبِ عَبْد اللَّهِ يوْمهُم ذَلِکَ حَتَّى أمسُوا، ثُمَّ بعث الرجَال إِلَى حُسَيْن عِنْدَ المساء فَقَال: أَصْبحُوا ثُمَّ ترَوْنَ وَنَرىٰ، فَكفُّوا عَنهُ تِلكَ اللَّيلَة، وَلَم يلحوا عَلَيْهِ، فَخرَجَ حُسَيْن من تَحت ليْلَته.

حکام اگلے دن عبداللہ بن زبیر کے سلسلے میں مصروف رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی پھر شام کو انہوں نے بعض لوگوں کو حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو آپ نے فرمایا صبح ہو جائے پھر دیکھیں گے، چنانچہ یہ لوگ واپس ہو گئے اور حسین رضی اللہ عنہ سے کوئی اصرار نہیں کیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ اسی رات مدینہ سے نکل گئے[تاریخ الطبری:۔ ۳٤۱/۵]۔

ظاہر ہے اس میں حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی کوتاہی نہیں ہے وہ وعدہ کے مطابق اگلے دن مدینہ ہی میں موجود تھے لیکن حکام، حسین رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق ان کی بیعت کا انتظام نہ کر سکے اور شام کو ان کے پاس ان کے شرائط کے خلاف پہنچے اور حسین رضی اللہ عنہ نے اس بار کوئی وعدہ نہیں کیا بلکہ کہا کہ صبح ہو جانے دو پھر دیکھیں گے، لیکن اسی رات حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے۔

دوسرا مرحلہ: قیام مکہ:

حسین رضی اللہ عنہ مکہ آ گئے، مکہ کس لئے آئے تھے اس بارے میں ہم حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن ظن ہی رکھیں گے کہ ان کی نیک ترجیحات ہی تھیں، یہ بات قطعاً نہیں تسلیم کی جا سکتی کہ بیعت یزید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مکہ آئے تھے کیونکہ:

☆انہوں نے بیعت پر رضامندی ظاہر کر دی تھی صرف اتنی بات ہی بیعت کے لئے کافی ہے اور رسم بیعت کی ادائیگی مزید تاکید کے لئے ہوتی ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں صحیحین کے حوالے سے واضح کیا گیا، لہٰذا اصل مقصود پورا کرنے کے بعد رسم بیعت کی ادائیگی سے فرار بے معنی چیز ہے۔

☆ وہ دو دن پہلے بیعت کا وعدہ کر چکے تھے اور ان سے وعدہ خلافی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

☆ دوسرے دن مکمل طور پر وہ مدینہ ہی میں مقیم رہے اور وعدہ بیعت کی تکمیل کے لئے تیار تھے، مگر ان کی بیعت کا انتظام حکام کی طرف سے نہیں ہو سکا، اس میں حسین رضی اللہ عنہ کا کوئی قصور نہیں۔

☆ اگر بیعت سے فرار کی نیت لے کر مکہ گئے تھے تو یہ غیر معقول بات تھی کیونکہ مکہ میں بھی ان سے بیعت کا مطالبہ ہوتا۔

مولانا سید علی احمد عباسی لکھتے ہیں:

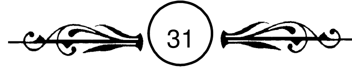
''رہا ان دونوں بزرگوں (حسین و ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کا مکہ آنا تو ضروری نہیں ہے کہ امیر ولید کو دھوکہ دے کر ہی ان کا آنا ہوا ہو، آدمی یوں ہی بھی تو مکہ آ سکتا ہے، امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات یکم رجب ۶۰ ہجری کو ہوئی تھی، اور یہ مہینہ عمرہ کا ہوتا ہے، لہٰذا قرین قیاس یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار پہلے ہی سے غالباً بنیت عمرہ آ گئے تھے'' [حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی: ص ۳۱۳]۔

بہرحال جب حسین رضی اللہ عنہ بیعت کی رسم پوری کئے بغیر مکہ پہنچ گئے اور یہ بات اہل کوفہ (سبائیوں یہودیوں) کو معلوم ہوئی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت سے متفق نہیں ہیں، پھر انہوں نے سازش رچی کی حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے مسلمانوں کے بیچ خونریزی کی جائے اور جمل وصفین کی تاریخ دہرائی جائے، اس کی خاطر انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجنا شروع کیا۔

حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی یہ سازش بہت پہلے ہی بھانپ گئے تھے کہ یہ کوفی انہیں خلیفہ بنانے کے لئے ہرگز نہیں بلا رہے ہیں بلکہ ان کا اصل مقصود امت مسلمہ کے بیچ فتنہ وفساد اور قتل و غارت گری عام کرنا ہے اور وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے اس مقصد کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کریں اور جب مقصود پورا ہو جائے تو انہیں بھی قتل کر دیں گے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يكتبون إليه يَدْعُونَهُ إِلَى الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِي خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كل ذلک



يأبى عليهم، فقدم منهم قوم إلى محمد بن الْحَنَفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهُمْ فَأَبَى، وجاء إلى الحسين يعرض عليه أمرهم، فقال له الحسين: **إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَأْكُلُوا بِنَا، ويستطيلوا بنا، ويستنبطوا دماء الناس ودماء نا** ، فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهُمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يجمع الإقامة عنهم.

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے تھے اور انہیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کوفی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر ان کی اس پیشکش کے بارے میں بتلایا تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: **یہ کوفی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کر کے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں**، یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکرمند ہو گئے کبھی سوچتے کہ (اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے) ان کے پاس جا (کر کچھ کرنا) چاہئے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہئے[البداية والنهاية ط إحياء التراث :۔١٧٤/٨]۔

حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے، اسی طرح مکہ سے روانہ ہونے کے بعد ایک مقام پر پہنچے تو حسین رضی اللہ عنہ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ ان کے خطوط اس بات پر غماز ہیں کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ کمال الدین ابن العدیم (المتوفی:٦٦٠ھ) اپنی سند سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک حاجی راستہ میں حسین رضی اللہ عنہ کو لوگوں سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ کر بہت سارے خطوط پڑھتے ہوئے دیکھا تو سوال کیا یہ کیا ہے اور آپ تمام لوگوں سے دور یہاں تنہا کیوں بیٹھے ہیں تو حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

هٰذِهِ كتب أهل الْكُوفَةِ إِلَيَّ وَهُمْ قَاتِلِي، فَإِذَا فَعلُوْا ذٰلِكَ لَمْ يتركُوْا لِلّٰهِ حُرمَةً إِلَّا انتهَكُوهَا.

یہ میرے نام اہل کوفہ کے خطوط ہیں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر انہوں نے ایسا کر ڈالا تو اللہ کی تمام

حرمات کو پامال کر ڈالیں[بغية الطلب في تاريخ حلب:۔٦/٢٦١٦]۔

یہی بات شیعہ مصنف نے بھی نقل کیا ہے ملاحظہ:

إِنَّ هٰؤُلاءِ أَخَافُونِيْ وَهٰذِهٖ كتب أَهْلِ الْكُوفَةِ وَهُمْ قَاتِلِي

یہ لوگ مجھے خوفزدہ کر رہے ہیں اور یہ اہل کوفہ کے خطوط ہیں یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں[مقتل الحسين للمقرم :ص ١٧٥]۔

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اہل کوفہ ان کے ساتھ کبھی بھی وفاداری نہیں کر سکتے بلکہ اہل کوفہ کا مقصد آپ کو استعمال کر کے مسلمانوں کا خون بہانا، اور بالآ خر انہیں بھی قتل کرنا ہے، ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ خلیفہ بننے کی نیت سے جائیں اور سب کچھ جاننے کے باوجود ان غدار کوفیوں پر اعتماد کر لیں، کوئی معمولی سے معمولی شخص بھی ان حالات میں ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

لہٰذا درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا ارادہ محض اس لئے کیا تھا تا کہ اہل کوفہ کی بغاوت کے خاتمہ کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکیں، کیونکہ حالات بتا رہے تھے کہ کوفی ان کے قتل کے درپے ہیں، مزید یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی، لہٰذا حسین رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ جب میرا خون بہایا جانا یقینی ہے تو بہتر ہوگا کہ مکہ میں میرا خون نہ بہے اور وہ بھی اس طرح کہ میری شہادت صرف اخروی سعادت میں محصور ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ امت کے لئے بھی نفع بخش نہ ہو، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان کی شہادت کسی اور مقام پر ہو نیز ان کی شہادت ان کے لئے اخروی اجر وثواب کے باعث ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہو۔

پھر اس صورت حال میں حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے کل تین راستے تھے:

اول: جہاں پر ہیں وہیں اقامت پذیر رہیں اور مستقبل کے حالات اللہ کے سپرد کر دیں۔

دوم: کسی سرحد پر جا کر مجاہدین کے ساتھ جہاد کرتے اور شہادت پاتے اس طرح مکہ کی سرزمین میں ان کا خون نہ بہتا نیز ان کی شہادت سے امت کا بھی بھلا ہوتا۔

سوم: کوفہ جاکر وہیں اقامت اختیار کرلیں اوراہل کوفہ پر کنٹرول حاصل کریں اورانہیں سمجھا بجھا کر یا کسی بھی ممکنہ صورت پر عمل کر کے انہیں اسلامی حکومت کے تابع رکھیں جیسا کہ ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، گرچہ اس نیک اقدام کی وجہ سے دشمنان اسلام انہیں شہید کرڈالیں جس طرح ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، ایسی صورت میں بھی مکہ کی مقدس سرزمین پر ان کا خون نہ بہے گا نیز ان کی شہادت ان کے حق میں اخروی مقام ومرتبے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہوگی۔

چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ نے آخری صورت کو ترجیح دی اور یہی فیصلہ کیا کہ مکہ میں اپنا خون نہیں بہنے دیں بلکہ مکہ سے باہر شہادت پائیں گے اوراپنی شہادت کو ذخیرہ آخرت بنانے کے ساتھ ساتھ، امت کے حق میں بھی مفید ثابت کریں گے اسی مقصد کے تحت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ سے روانگی کا فیصلہ کیا۔

یہ اقدام گرچہ مخلصانہ تھا لیکن بہت ہی پرخطر تھا، اس لئے بعض خیرخواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ مکہ نہ چھوڑیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر میں مکہ نہ چھوڑوں گا تو یہیں پر میرا خون بہادیا جائے گا، اس لئے بہتر ہے کہ اس مقدس سرزمین پر میرا خون نہ بہے:

امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۰ھ) نے کہا:

حَـدَّثَـنَـا عَـلِيُّ بن عَبْدِ الْعَزِيزِ ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بن مَيْسَرَةَ ، عَـنْ طَاوُسٍ ، قَالَ: قَـالَ ابْـنُ عَبَّـاس :اسْتَـأْذَنَنِي حُسَيْنٌ فِي الْخُرُوجِ ، فَقُلْتُ :لَوْلا أَنْ يُزْرِيَ ذَلِكَ بِي أَوْ بِكَ لَشَبَكْتُ بِيَدِي فِي رَأْسِكَ ، قَالَ: فَكَانَ الَّذِي رَدَّ عَلَيَّ ، أَنْ قَالَ : " لأَنْ أُقْتَـلَ بِـمَـكَـانِ كَـذَا وَكَذَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُسْتَحَلَّ بِي حَرَمُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" ، قَالَ: فَذَلِكَ الَّذِي سَلَى بنفْسِي عَنْهُ .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے مجھ سے روانگی کوفہ کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: اگر میری اورآپ کی شان کے خلاف نہ ہوتا تو میں آپ کو پکڑ کر رکھتا، عبداللہ بن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: میں فلاں فلاں مقام پر قتل کردیا جاؤں یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ میری وجہ سے مکہ کی حرمت پامال ہو، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ بات کہہ کر حسین رضی اللہ عنہ نے

مجھے مطمئن کردیا[المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹۹/۳ واسنادہ صحیح]۔

الغرض یہ کہ مذکورہ ارادے کے تحت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ سے نکلنے کا فیصلہ کرلیا یعنی مشن یہ تھا کہ اہل کوفہ پر کنٹرول حاصل کر کے انہیں کسی طرح حکومت وقت کے ماتحت کردیں تا کہ جو اتحاد واتفاق صلح حسن رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوا تھا اس کی تجدید ہو جائے، دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیں کہ اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر صفین کی تاریخ دہرانا چاہتے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی حسن کی تاریخ دہرانے کے خواہش مند تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک خط سے حسین رضی اللہ عنہ کا یہی موقف صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط ملنے کے بعد کوفہ جانے کا ارادہ کرلیا تو یہ بات کسی طرح یزید رحمہ اللہ کو معلوم ہوگئی یزید رحمہ اللہ نے فوراً ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یزید کو سمجھائیں ابن سعد نے متعدد سندوں سے نقل کیا کہ:

وَكتبَ يَزِيدُ بنُ مُعَاوِيةَ إلَى عَبدِ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ يُخبِرهُ بِخُروجِ الْحُسَينِ إلىٰ مَكَّةَ. وَنَحسِبُهُ جَاءَه رِجَالٌ مِّنْ أهْلِ هٰذَا الْمَشرِق فَمَنَّوْهُ الخِلافَةَ. وَعِندَكَ مِنهُم خبرَة وَتَجرِبَة . فإنْ كَانَ فَعَلَ فَقَدْ قطعَ وَاشج الْقَرَابَة. وَأنْتَ كَبِير أهْل بَيتِكَ وَالمَنظُور إلَيْهِ. فَاكفه عَن السَّعيِ فِي الْفِرقَةِ.

اور یزید بن معاویہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ مکہ جاچکے ہیں، ان کے پاس اس مشرق (کوفہ) سے کچھ لوگ آکر انہیں خلافت کی امیدیں دلا رہے ہیں، آپ اہل کوفہ سے اچھی طرح واقف ہیں اور پورا تجربہ رکھتے ہیں، اس لئے سوچ لیں کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ ایسا کر گئے تو اس سے ساری قرابتداریاں خاک میں مل جائیں گی، آپ اپنے گھر کے سب سے بڑے اور پسندیدہ شخص ہیں، لہٰذا آپ حسین رضی اللہ عنہ کو تفرقہ کی کوششوں سے روکیں [الطبقات الکبری :۔ ۴۵۰/۱، تاریخ مدینة دمشق:۔ ۲۱۰/۱۴، بغیة الطلب فی تاریخ حلب :۔ ۲۶۱۱/۶، البدایة والنهایة:۔ ۱۶۴/۸، تهذیب الکمال للمزی:۔ ۴۲۰/۶، سیر أعلام النبلاء للذهبی:۔ ۳۰۴/۳]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا اور انہیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا خروج آپ

کے خلاف نہیں ہے، وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جو آپ کو ناپسند ہو:

فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي أَرْجُو أنْ لَّا يَكُونَ خُرُوْجِ الْحُسَيْنِ لأَمْرٍ تَكْرِهُه. وَلَسْتُ أَدْعُ النَّصِيحَةَ لَه فِيمَا يَجْمَعُ اللّٰهُ بِهِ الألفة وَيطفِي بِهِ النَّائِرة

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا کہ: **مجھے پوری امید ہے کہ** (کوفہ کی طرف) **حسین** رضی اللہ عنہ **کسی ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے ہیں جو آپ کو ناپسند ہو** اور میں انہیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں کردوں گا جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا اور فتنہ کی آگ بجھ جائے گی۔ [الطبقات الكبرى :۔ ١/٤٥٠، تاريخ مدينة دمشق:۔ ١٤/٢١٠، بغية الطلب فی تاريخ حلب :۔ ٦/٢٦١١، البداية والنهاية:۔ ٨/١٦٤، تهذيب الكمال للمزی:۔ ٦/٤٢٠، سير أعلام النبلاء للذهبی:۔ ٣/٣٠٤]۔

اسی طرح کوفہ سے حسین رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کے پاس ایک خط لکھا اور یہ خط پڑھ کر عبیداللہ بن زیاد نے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے اسی موقف کی وضاحت کی۔

فَلَمَّا قَرأَ عُبَيْدُ اللّٰهِ الكِتَاب قَالَ: هَذَا كِتَابُ رجُلٍ نَاصِحٍ لأَمِيْرِه، مُشْفِقٍ عَلَى قَوْمِه، نَعم قَدْ قبلت.

عبیداللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکار اٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے **جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے، مجھے** حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے [تاريخ الطبری:۔ ٥/٤١٤]۔

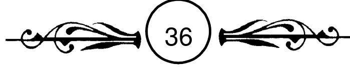
بعض لوگوں نے خود حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کا مقصد انہیں کے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے:

وَأَنِّي لَمْ أخرج أشَراً، وَلَابَطراً، وَلَا مُفْسِداً، وَلَا ظَالِماً، وَإِنَّمَا خَرجْت لِطلبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمةِ جَدِّي، أُرِيْدُ أنْ آمرَ بِالْمَعرُوفِ وَأنْهيٰ عَنِ الْمُنْكرِ .

میرا خروج کسی شر پسندی یا تکبر کی بنا پر نہیں ہے اور نہ میں فساد یا ظلم برپا کرنا چاہتا ہوں، بلکہ میں تو صرف اس لئے نکلا ہوں تاکہ اپنے نانا کی امت میں اصلاح کا کام کروں، میرا مقصد بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے [مقتل الحسين الخوارزمی :۔ ١/١٨٩، وعام كتب شيعه]۔

مولانا نایار خان لکھتے ہیں:

''امام جب شیعہ تھے تو شیعوں نے قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ برعکس ہے امام، امام اہل سنت تھے ان کا مذہب وہی تھا جو باقی عرب کا تھا، اسی وجہ سے کوفہ کے شیعوں نے دھوکہ دے کر امام کو بلایا اور قتل کیا، امام کو



معلوم تھا کہ وہ شیعہ ہیں مگر ان کی اصلاح کی خاطر چلے گئے'' [حضرت حسین کے قاتل خود شیعہ تھے:۔ص:۱۷]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتے داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہل کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی جو وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا کوئی ارادہ بغاوت برپا کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومت وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔حکومت کے رویے سے بھی ظاہر یہی تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے''۔[سانحہ کربلا۔تحریر وتحقیق : محمد مبشر نذیر : ماخوذ از محدث فورم،ص 1]۔

الغرض یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ خلیفہ بننے کی نیت سے نہیں جا رہے تھے بلکہ ان کا مقصد اہل کوفہ کی شرانگیزی پر قابو پانا اور امت کے مابین متوقع خونریزی کو روکنا تھا اہل کوفہ چاہتے تھے کہ وہ ابن سباء کی تاریخ دہرا کر امت مسلمہ میں تباہی پھیلائیں اور حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرا کر امت کو متحد اور عالم اسلام میں امن وامان قائم کیا جائے۔

جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں:

''یزید کے پاس آپ کا اس درجہ لچک کے ساتھ جانا کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں اس کا نتیجہ وقت کے تمام دستیاب شواہد وقرائن کی روشنی میں سوائے اس کے کچھ نہیں ہونا تھا کہ یزید آپ کا اکرام کرتا۔۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق انہیں کے نقش قدم پر صلح حسن رضی اللہ عنہ جیسا کوئی باب یزید اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان بھی ضرور رقم ہوتا'' [واقعہ کربلا:۔ص :۲۷٤]۔

بہر حال اہل کوفہ کی سازشوں کو ناکام بنانے ہی کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کرلیا مگر یہ کام آسان نہیں تھا اہل کوفہ مستقل کیا چند عرصہ کے لئے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے کنٹرول میں نہیں آسکتے تھے اور ان کی کسی ہدایت پر عمل پیرا نہیں ہوسکتے تھے، اس لئے متعدد خیر خواہان نے انہیں کوفہ نہ جانے ہی کا مشورہ دیا، حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا اس لئے کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مسلم بن عقیل کو وہاں بھیجا مسلم بن عقیل وہاں پہنچے تو ابتداء میں ان کی خوب مقبولیت ہوئی اور انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج دیا کہ کوفہ آجائیں حالات آپ

کے موافق ہیں یہ پیغام ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

تیسرا مرحلہ: روانگی کوفہ (مکہ سے قادسیہ تک کا سفر):

مسلم بن عقیل کا پیغام ملنے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے، لیکن راستے ہی میں معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل قتل کردئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ اہل کوفہ نے غداری کی یہ خبر پاتے ہی حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کرلیا۔

لیکن وہ کوفی جو آپ کو لینے کے لئے آئے تھے اور آپ کے ساتھ تھے انہوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا اور وہ کہنے لگے:

لَا وَاللَّهِ لَا نبرحُ حَتَّى نُدرِک ثأرنَا، أَوْ نَذُوْق مَا ذَاقَ أخُونَا.

ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ انتقام لے لیں یا ہمارا بھی وہی انجام ہو جو ہمارے بھائی کا ہوا[تاریخ الطبری:۔۳۹۷/۵]۔

اور دوسری طرف ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:

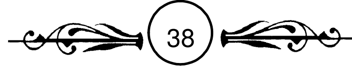
إِنَّکَ وَاللَّهِ مَا أَنْتَ مِثل مُسلِم بْن عَقيْل، وَلَو قَدمت الْكُوفَة لَكَانَ النَّاسُ إِلَيکَ أَسْرَع.

یقیناً آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں (وہ لوگ نہیں جانتے تھے) لیکن آپ اگر کوفہ پہنچ جائیں تو لوگ آپ کی اطاعت کے لئے ٹوٹ پڑیں گے[تاریخ الطبری:۔۳۹۸/۵]۔

کوفیوں کی مکاریوں کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ چاہنے کے باوجود واپس نہ ہوسکے اور بادل نخواستہ سفر جاری رکھا۔

اس موڑ پر پہنچ کر حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام ارادے منسوخ کردیتے ہیں ان کا جو بھی موقف تھا یہاں آنے کے بعد بدل جاتا ہے اس کے بعد آگے جو کچھ ہوا وہ حسین رضی اللہ عنہ کے اس موقف سے ہٹ کر تھا جو انہوں نے مکہ میں اختیار کیا تھا، بہرحال حسین رضی اللہ عنہ مستقبل کے حالات سے بے خبر بے مقصد آگے بڑھتے رہے۔

قادسیہ کے قریب پہنچے تو آپ کو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات بہت ہی نازک ہیں وہاں جانا مناسب نہیں اس لئے آپ نے یہاں سے دمشق کا رخ کیا جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے۔



أنَّ ابْـنَ زِيَـادٍ أمَـرَ بِـأخـذِ مَـا بَيْنَ وَاقصَة إلٰى طَرِيقِ الشَّأمِ إلٰى طَرِيْقِ البَصرَةِ فَلا يدْعونَ أحـداً يَـلـجُ وَلَا أحـداً يَـخـرِجُ فَأقبَلَ الْحُسَين وَلَا يشعرُ بِشَيءٍ حَتىّٰ لَقى الْأعْرَابُ فَسْألَهُمْ فَقَـالُوا لَا وَاللّٰهِ مَا نَدرِيُ غَيرَ أنا لَا نَستَطِيعُ أن نَّلِجَ وَلَا نخرُجُ قَالَ فَانْطَلقَ يَسير نَحُو طَرِيق الشَّأمِ نَحُو يَزِيْد.

عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام و بصرہ کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے رہے اور ان حالات سے بے خبر تھے یہاں تک کہ آپ کی ملاقات چند اعرابیوں سے ہوئی اور آپ نے ان سے پوچھ تاچھ کی تو انہوں نے کہا: واللہ ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں معلوم کہ ہم نہ تو کوفہ جا سکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ شام (دمشق) کی طرف روانہ ہوگئے جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے[تاریخ الأمم والرسل والملوك الطبری:۔۲۹۹/۳ واسناده صحیح دیکھئے: حادثہ کربلا و یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

چوتھا مرحلہ: روانگی دمشق (قادسیہ سے کربلا تک کا سفر):

قافلہ حسین دمشق کی طرف روانہ ہوا تو آگے چل کر حر بن یزید سے مڈھ بھیڑ ہوگئی جو انہیں کی تلاش میں نکلا تھا حسین رضی اللہ عنہ نے حر بن یزید کو بتایا کہ اہل کوفہ ہی نے مجھے خطوط دے کر بلوایا، میں از خود نہیں آیا، حر بن یزید نے کہا: إنَّا وَاللّٰهِ مَا نَدرِيُ مَا هٰذه الْكُتب الَّتِي تذكر.

حر بن یزید نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں کچھ خبر نہیں، آپ کن خطوط کا تذکرہ کر رہے ہیں[تاریخ الطبری: ۳۰۶/۳]۔

فَقَالَ الْحُسَيْن: يَا عُقْبَةَ بْنِ سَمعَانَ، أخْرِجِ الْخرجَين اللَّذِينَ فِيهِمَا كتبهُمْ إلَيَّ، فَأخْرَجَ خرجيْن مَمْلُوءَ ينِ صحفاً، فَنشرهَا بَيْنَ أيْدِيهِمْ.

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا اے عقبہ بن سمعان ان دو بوریوں کو نکالو جن میں اہل کوفہ کے میرے نام خطوط ہیں، انہوں نے خطوط سے پر ان دونوں بوریوں کو نکالا اور خطوط حر بن یزید وغیرہ کے سامنے پھیلا دیے[الطبری:۴۰۲/۵]۔

حر بن یزید نے اصرار کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ دمشق نہ جا کر اس کے ہمراہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس کوفہ چلیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ دمشق جانے ہی پر مصر رہے، اور آگے بڑھتے رہے جب کربلا کے مقام پر پہنچے تو عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے بھیجے گئے عمر بن سعد اور اس کے ماتحت سپاہیوں سے مڈھ بھیڑ ہوئی،

عمر بن سعد نے ان سب کو روک لیا۔

پانچواں مرحلہ :نزول کربلا و وقوع حادثہ :

یہاں پر حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تین پیشکش رکھی:

فَقَالَ الْحُسَيْنُ : يَا عمَر اخْتَرْ مِنِّي إحْدىٰ ثَلاثٍ: تتْرُكنِيْ أرجع كَمَا جِئتُ، وَإن أبِيتَ هٰذِهِ فَسَيِّرنِيْ إلَى التُّرْكِ أُقَاتِلهُمْ حَتىّٰ أمُوتُ، وَإنْ أبِيتَ هٰذِهِ فَابْعَثْ بِي إلٰى يَزِيْد(وعندالطبری: يزيد أمير المؤمنين) **لأضَعُ يَدِي فِي يَدِهٖ، وَأرسل إلٰى ابْنِ زِيَاد بِذٰلِك.**

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا اے عمر بن سعد میری تین باتوں میں سے کوئی ایک قبول کرلو:

☆ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

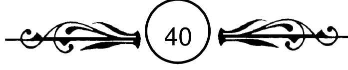
☆ اگر یہ منظور نہیں تو مجھے سرحد پر **بھیج دو** میں دشمنوں کے ساتھ جہاد کروں گا یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔

☆ اگر یہ بھی منظور نہیں تو مجھے یزید (اور طبری میں ہے: امیر المؤمنین یزید) کے پاس **بھیج دیں** (جانے دیں نہیں بلکہ ''بھیج دیں'' یعنی چند سپاہیوں کی حفاظت میں بھیج دیں) تا کہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دوں، اور یہ تینوں باتیں لکھ کر عبید اللہ بن زیاد کو ارسال کردیں۔ عمر بن سعد رحمہ اللہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں پیشکش لکھ کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس روانہ کردیں، [المحاسن والمساوی للبیهقی :ص:۲۸،تاریخ الطبری :۳۱۳/۳]۔

عبید اللہ بن زیاد نے جب اسے پڑھا تو فوراً بول اٹھا: ''**هٰذَا كِتَابُ رَجُل نَاصِح لأمِيرِهِ مُشفِق عَلٰى قَومِهِ نَعم قَدْ قَبِلت**، یہ ایسے شخص کا خط ہے جو امیر المؤمنین کا خیر خواہ اور امت مسلمہ پر مہربان ہے، ٹھیک ہے میں نے ان کی بات قبول کی'' [تاریخ الطبری: ۳۱۳/۳]۔

یعنی ابن زیاد نے تیسری بات کی منظوری دے دی کہ انہیں بحفاظت یزید کے پاس بھیج دیا جائے کیونکہ بعض روایت کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ کا واسطہ دے کر اس کا مطالبہ کیا تھا (کما سیاتی بسند صحیح) نیز یزید کے پاس جا کر حسین رضی اللہ عنہ یزید کی براہ راست بیعت بھی کر لیتے اور تمام حالات سے انہیں باخبر بھی کر دیتے۔

کوفیوں نے جب دیکھا کہ ابن زیاد نے آپ کو دمشق جانے کی اجازت دے دی ہے اور آپ دمشق یزید کے پاس جا رہے ہیں اور ظاہر ہے یزید تمام معاملات سے آگاہ ہوں گے پھر ان تمام لوگوں کے لئے خطرہ ہوسکتا ہے جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت کی دعوت دی تھی اور خفیہ طور پر یزید بن



معاویہ کے خلاف بغاوت کی سازش رچی تھی۔

اس لئے ان کوفیوں نے سوچا کسی طرح حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس جانے سے روک دیا جائے اور ان کے پاس موجود ہمارے باغیانہ خطوط یزید تک نہ پہنچنے پائیں، ظاہر ہے کہ یہ کوفی حسینی قافلہ میں تو شامل تھے اس کے ساتھ ساتھ اپنی سابقہ چالوں کے مطابق لازمی طور پر ان میں کچھ فوجی دستہ میں بھی شامل تھے، چنانچہ ان لوگوں نے موقع پا کر یہاں پر بھی وہی کیا جو جنگ جمل کے موقع پر کر چکے تھے یعنی ایک سازش کے تحت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے قافلہ پر حملہ کر دیا، فوجی دستہ کے جو دیگر مخلصین تھے وہ فوراً الگ ہو گئے اور حسینی قافلہ کے بچاؤ میں لگ گئے، بعض روایات میں ان مخلصین کی تعداد تیس بتلائی جاتی ہے جن میں حر بن یزید سرفہرست تھا۔

چنانچہ حر بن یزید نے جب دیکھا کہ فوجی دستے کے لوگ بھی حسینی قافلے پر حملہ آور ہیں تو وہ فوراً حسینی قافلہ کے بچاؤ میں لگ گیا اور حملہ آوروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

يَـا أهْـلَ الْـكُـوفَةَ لامكم الْهبل أدعَوتُم الْحُسَينَ إلَيكُمْ حَتّٰى إذَا أتَاكُمْ أسلمتُمُوهُ زعَتُم أنَّكُم قَاتلُوا أنْفسكُمْ دُوْنه ثُمَّ عَدوتُم عَلَيهِ لِتَقْتُلُوهُ.

اے اہل کوفہ تمہارا برا ہو، تم حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلاتے ہو اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تم انہیں بے یارو مددگار چھوڑ دیتے ہو تم نے خیال کیا کہ تم ان کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑاؤ گے پھر تم نے انہیں قتل کرنے کے لئے ان پر حملہ کر دیا[البداية والنهاية موافق:۔ ۸/۱۸۰]۔

حر بن یزید نے یہ جملے فوجی دستہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہے اس سے معلوم ہوا کہ فوجی دستہ میں بھی کچھ سبائی کوفی چھپے ہوئے تھے اور موقع پا کر انہوں نے قافلہ حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، اور یہ انہیں لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلوایا تھا، جیسا کہ حر بن یزید نے کہا، یاد رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ حر بن یزید کو ان کوفیوں کے خطوط دکھا چکے تھے، جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔

خود حسین رضی اللہ عنہ کہا:

اللّٰهُمَّ احكم بيننا وبين قوم دعونا لينصرونا فقتلونا

اللہ ہمارے اوران کے بیچ فیصلہ کردے جنہوں ہمیں بلایا تاکہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے لیکن یہی ہمیں قتل کر رہے ہیں[تاریخ الطبری:۳۸۹/۵]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''اس روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض الفاظ ایسے بیان ہوئے ہیں جن سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اس جنگ کے چھڑنے کے ذمہ دار کون لوگ تھے۔ دوران جنگ آپ نے اللہ تعالی سے فریاد کی: ''اے اللہ ! ہمارا اوران لوگوں کا تو انصاف فرما۔ انہوں نے ہمیں اس لئے بلایا کہ ہماری مدد کریں گے اوراب ہم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں'' یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے مصداق نہ تو عمر بن سعد ہو سکتے ہیں اور نہ ابن زیاد اوراس کے ساتھی کیونکہ ان لوگوں نے تو آپ کو کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکاری فوج میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر کوفہ بلایا تھا۔ اب انہی لوگوں نے آپ پرحملہ کر کے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کرنا شروع کر دیا تھا''۔[سانحہ کربلا۔تحریر وتحقیق : محمد مبشر نذیر : ماخوز از محدث فورم،ص 1]۔

معلوم ہوا کہ جن کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو بلوایا تھا انہیں کوفیوں نے ہی حسین رضی اللہ عنہ پرحملہ کیا اورشہید کیا۔

عمر بن سعد رحمہ اللہ بھی حسین رضی اللہ عنہ کا تحفظ کرنے والوں ہی میں سے تھے، بلکہ شہادت حسین پر زار وقطار رور ہے تھے۔

وَقَدْ دنا عُمَر بن سَعْد من حُسَيْن، فَقَالَتْ:يَا عُمَر بن سَعْدٍ، أيقتل أَبُو عَبْد اللَّهِ وأنت تنظر إِلَيْهِ! قَالَ:فكأني أنظر إِلَى دموع عمر وَهِيَ تسيل عَلَى خديه ولحيته.

عمر بن سعد رحمہ اللہ حسین رضی اللہ عنہ کے قریب بڑھے، انہیں دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی زینب نے کہا: اے عمر بن سعد! کیا حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دئے جائیں گے اورآپ دیکھتے رہیں گے، راوی کہتے ہیں کہ میں عمر بن سعد کے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا وہ ان کے گالوں اورداڑھی پر بہے جارہے تھے[تاریخ الطبری:۔۴۵۲/۵]۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن سعد، حسین رضی اللہ عنہ کے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیاب نہ ہوسکے اورشہادت حسین رضی اللہ عنہ پر زار وقطار رور ہے تھے۔

الغرض یہ کہ جب کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ کے دمشق جانے اور یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ ہوگیا تو سبائی کوفی جو حسینی قافلہ میں بھی تھے اور ابن زیاد کی فوج میں بھی تھے انہوں نے اپنے لئے خطرہ محسوس کیا کہ ایسا ہوا اور حسین رضی اللہ عنہ یزید سے مل گئے تو پھر ہماری خیر نہیں ہوگی اس لئے انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو دمشق یزید کے پاس جانے سے نہ صرف روک دیا بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ پر حملہ کر دیا اور ان کے جو باغیانہ خطوط حسین رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں تھے ان میں آگ لگا دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر ڈالا، اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔

یاد رہے کہ قافلہ حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والے تمام کے تمام کوفی ہی تھے اس بات کا اعتراف اہل تشیع نے بھی کیا، چنانچہ:

مسعودی شیعی لکھتا ہے:

وَكَانَ جَمِيعُ مِنْ حَضَرَ مَقْتَل حُسَيْن مِنَ الْعَسَاكِرِ وَحَارِبَهُ وَتَوَلّى قتله مِنْ اَهلِ الْكُوفَةِ خَاصَّة لَمْ يحْضرهُمْ شَامِي.

وہ تمام لوگ جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے قتال میں حصہ لئے اور ان کے خلاف جنگ کی اور انہیں قتل کیا یہ سب کے سب خالص اہل کوفہ میں سے تھے شام کا کوئی بھی شخص ان کے ساتھ موجود نہ تھا[مروج الذهب للمسعودی:۔ج: ۳، ص: ۷۱]۔

ملا باقر مجلسی شیعی لکھتا ہے:

وَتَوَلّیٰ قَتله مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً لَمْ يحضِرهُمْ شَامِي.

حسین رضی اللہ عنہ کو خالص کوفیوں نے قتل کیا ہے ان میں کوئی بھی شامی موجود نہیں تھا[بحار الأنوار: ج: ۱۰، ص: ۲۳۱]۔

ہنگامہ ختم ہونے کے بعد عمر بن سعد حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو لیکر کوفہ لوٹے جب کوفہ کے قریب یہ قافلہ پہونچا تو کوفہ کی خواتین باہر نکل نکل کر رو رہی تھیں، یہ منظر دیکھ کر زین العابدین یعنی علی ابن الحسین نے کہا کہ اگر یہ رو رہی ہیں تو ہمیں قتل کس نے کیا ہے:

لَمَّا دَخَلَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَين الْكُوفَةَ رَأى نِسَاء هَا يُبكِيْنَ وَيَصرخْنَ فَقالَ:"هؤلاءِ يُبكِيْنَ

عَلَينَا فَمَنْ قَتلنَا؟" أىْ مَنْ قَتَلنَا غَيرهُم.

جب علی ابن الحسین کوفہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں رو رہی ہیں اور چیخ رہی ہیں، یہ دیکھ کر علی بن الحسین نے کہا اگر یہ لوگ ہم پر رو رہی ہیں تو پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟[تاریخ الیعقوبی:۔ ۲۳۵/۱]۔

یہی بات حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت کہی تھی جب ان ہی کوفیوں نے ان کے شوہر کو شہید کیا تھا اور یہ کوفہ سے جا رہی تھیں:

وَلَـمَّـا أرَادَتْ سَكِينَة بِنْتُ الْحُسَين بْنِ عَلِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمْ الرَّحِيلُ مِنَ الْكُوفَةِ إلَى الْـمَدِينةِ بَعدَ قَتْلِ زَوجِهَا الْمُصعَب، حَفَّ بِهَا أهْلُ الْكُوفَةِ وَقَالُوا: أحْسَنَ اللّٰهُ صَحَابَتكِ يَا اِبنَة رَسُولِ اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلّم! فَقَالَتْ: لَا جَزَاكمُ اللّٰه خَيراً مِّنْ قَومٍ، وَلَا أحسنَ الْخِلافَة عَلَيْكُمْ، قَتَلْتُم أبِى (حُسَين)، وَجَدّى (عَلِى)، وَأخِى (ابْنَ الْحُسَيْنِ)، وَعَمِّى (حَسَن)، وَزَوجِى، أيتَمتَمُونِى صَغِيرةً، وأيّمتَمُونِى كَبِيرَةً!

جب سکینہ بنت الحسین نے اپنے شوہر مصعب کے قتل کے بعد کوفہ سے مدینہ جانے لگیں تو اہل کوفہ نے انہیں گھیر لیا اور کہا اے اللہ کے رسول کی بیٹی اللہ تمہارا بھلا کرے تو سکینہ بنت حسین نے کہا: اللہ تمہارا بھلا نہ کرے تم نے میرے والد (حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم نے میرے دادا (علی رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم نے میرے بھائی کو قتل کیا تم نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور تم نے ہی میرے شوہر کو قتل کیا، جب میں بچی تھی تو تم نے مجھے یتیم بنا دیا اور جب میں بڑی ہوئی تو تم نے مجھے بیوہ بنا دیا[العقد الفرید :۲۷۷/۷]۔

عَنْ شَهْر بْنِ حَوشَبٍ قَالَ سَمِعْتُ أمِّ سَلمَةَ تَقُولُ: حِينَ جَاءَ نَعى الْحُسَين بْن عَلِى لَعَنَت أهْلَ الْعِراقِ وَقَالَتْ قَتلُوهُ قَتلَهُمُ اللّٰهُ غروُه وَذَلوُه لَعنهُمُ اللّٰه.

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سنا: انہوں نے عراقیوں (کوفیوں) پر لعنت کی اور کہا: انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اللہ انہیں تباہ و برباد کرے، انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا اور انہیں ذلیل کیا اللہ کی ان پر لعنت ہو[فضائل الصحابة:۔ ۷۸۲/۲ واسناده حسن ، دیکھئے میری کتاب: "حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں"]۔

عَنِ ابْنِ أَبِى نُعْمٍ، قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَألَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ البَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ العِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا، يَسْأَلُنِى عَنْ دَمِ البَعُوضِ، وَقَدْ

قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: هُمَا رَيْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا.

ابونعیم نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں موجود تھا ان سے ایک شخص نے (حالت احرام میں) مچھر کے مارنے کے متعلق پوچھا (کہ اس کا کیا کفارہ ہوگا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا، فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو، (مچھر کی جان لینے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے حالانکہ اس کے ملک والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو (بے تکلف قتل کر ڈالا) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ یہ دونوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں[صحیح البخاری:۔۸/۷]۔

خلاصہ روداد

پہلا مرحلہ : قیام مدینہ

یزید کے خلیفہ بننے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے آپ سے بیعت یزید کا مطالبہ کیا گیا آپ نے اگلے دن مجمع عام میں بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی تا کہ یہ بات سب کے علم میں آجائے لیکن اگلے دن حکام آپ کے پاس نہ پہنچ سکے پھر اس کے بعد حسین رضی اللہ عنہ عمرہ وغیرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہو گئے ۔

دوسرا مرحلہ : قیام مکہ

مکہ میں حسین رضی اللہ پہنچے اور کوفیوں نے سنا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے تو ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے ایک بار پھر امت میں خونریزی کا پرگرام بنایا اور اس کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھے کہ آپ ہمارے پاس آجائیں ہم آپ ہی کو خلیفہ مانیں گے، حسین رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کی خطرہ کی بو سونگھ لی اور فیصلہ کیا کہ اہل کوفہ جس برے اقدام کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں اس اقدام سے روکنا چاہئے اور ان کی اصلاح کرنی چاہئے تا کہ امت میں اتحاد و اتفاق باقی رہے اور کسی قسم کا فتنہ رونما نہ ہو، اس غرض سے آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا، آپ کی نیت گرچہ نیک اور مخلصانہ تھی مگر اہل کوفہ کو کنڑول کرنا آسان کام نہیں تھا اسی لئے خیر خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں، آپ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا اور کوفہ کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو شروع شروع



میں اہل کوفہ نے ان کا پر جوش استقبال کیا یہ دیکھ کر مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا کہ آپ آ سکتے ہیں، خط ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے ۔

تیسرا مرحلہ : روانگی کوفہ (مکہ سے قادسیہ تک کا سفر)

آپ کوفہ روانہ ہوئے اور ادھر اہل کوفہ نے مسلم بن عقیل پر دباؤ ڈال کر اور انہیں زبردستی اپنے ساتھ لیکر قصر حکومت پر حملہ کر دیا اور عین وقت پر مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے ، پھر مسلم بن عقیل قتل کر دئے گئے ، حسین رضی اللہ عنہ راستے ہی میں تھے کہ انہیں اس قتل کی خبر ملی یہ خبر ملتے ہی آپ نے واپسی کا فیصلہ کیا لیکن جو کوفی آپ کو مکہ سے لینے کے لئے آئے تھے انہوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا اور دوسری طرف حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں آپ کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہے آپ چلیں آپ کے ساتھ خیر کا سلوک ہوگا ، مجبوراً حسین رضی اللہ عنہ کو سفر جاری رکھنا پڑا۔

قادسیہ کے قریب پہونچے تو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات انتہائی نازک ہیں ، وہاں جانا بہت خطرناک ہے یہ سن کر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی راہ چھوڑ کر سیدھا دمشق جانے کی ٹھان لی جہاں یزید بن معاویہ رحمہ اللہ خود موجود تھے۔

چوتھا مرحلہ: روانگی دمشق (قادسیہ سے کربلا تک کا سفر)

دمشق کی طرف حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ روانہ ہو گیا تھوڑی دور چلنے کے بعد حر بن یزید راستے میں ملا اس نے اصرار کیا حسین رضی اللہ عنہ اس کے ہمراہ کوفہ چلیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے تسلیم نہیں کیا اور شام کی جانب سفر جاری رکھا آگے کربلا کے مقام پر پہونچے تو عمر بن سعد اور اس کے سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

پانچواں مرحلہ: نزول کربلا، ووقوع حادثہ

عمر بن سعد کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو ، عمر بن سعد اس پر بہت خوش ہوئے اور ان کی یہ بات منظور کر لی ، اور عبید اللہ بن زیاد سے اس کی اجازت بھی لے لی۔

کوفی سبائیوں نے جب یہ دیکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس بیعت کے لئے جا رہے ہیں

اوران کے خطوط بھی ان کے ساتھ ہیں تو انہوں نے ہنگامہ برپا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

خودساختہ کہانیاں

اوپر حادثہ کربلا کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں اس کی روشنی میں یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ سبائیوں اور کوفیوں کی سازش کا نتیجہ تھا، یاد رہے کہ سبائی یہودیوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ اس الم ناک حادثہ کو جنم دیا بلکہ اس حادثہ سے جڑی ہوئی جو تفصیلات وضع کی گئی ہیں اور جو لمبے چوڑے قصے اور کہانیاں بیان ہوئی ہیں، اسی طرح بے گناہ اور ابریاء لوگوں پر جو الزامات تراشے گئے ہیں، یہ سب کچھ انہیں سبائی یہودیوں ہی کی کارستانیاں ہیں چنانچہ:

☆ حادثہ سے قبل اور میدان کربلا میں حسین اور ان کے رفقاء کی طرف لمبی چوڑی تقریریں منسوب کی گئی ہیں جن کا نہ تو کوئی موقع تھا اور نہ ہی کوئی وقت۔

☆ لڑائی سے قبل مبارزانہ جنگ کے بے سروپا قصے مشہور کیئے گئے جن میں اصحاب حسین کی غیر معمولی بہادری کا ایسا تذکرہ ہے جس کا وقوع حقیقت کی دنیا میں بالکل محال و ناممکن ہے۔

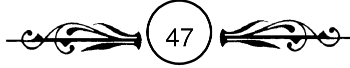
☆ صبح سے لیکر سہ پہر بلکہ اس سے بھی لمبی مدت تک گھمسان کی جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس میں حسین اور ان کے رفقاء کی بہادری کے ایسے بے مثال کارنامے بیان ہوئے ہیں جو یکسر گپ اور خودساختہ ہیں۔

☆ قافلہ حسین پر ظلم و بربریت کی حد اور بے رحمی و سخت دلی کی انتہاء دکھلائی گی ہے کہ انہیں مغلوب کرنے کے لئے ان پر پانی کی بندش لگا دی گئی حالانکہ یہ ایک افسانہ بلکہ خالص پروپیگنڈہ ہے۔

دراصل یہ ساری کہانیاں میدان کربلا کی نہیں بلکہ کربلا کے بعد کی تصنیف کردہ ہیں جو محض جھوٹ اور کذب بیانی کے علاوہ کچھ نہیں۔

عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

''کربلا کے میدان کا واقعہ بہت سادہ اور بہت مختصر ہے اور جتنے قصے کہانیاں اس سلسلے میں بیان کی جاتی



ہیں جب ان کی جانچ اس وقت اور ماحول کے امکانات ومواقع، روایتوں کے تقابل، انسانی فطرت اور حضرت سیدنا حسین اور ان کے اہل بیت کے دینی شعور کی روشنی میں کی جاتی ہے تو یہ تمام کے تمام قصے ایک ایسی من گھڑت داستان بن کے رہ جاتے ہیں جسے بس ابن سباء یہودی کے شیطانی منصوبے کے مطابق ہی گھڑا جاسکتا ہے"[واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص۲۸۵-۲۸۶]۔

یہ ساری کہانیاں صرف خودساختہ ہی نہیں بلکہ ان میں اسلام کے نام پر حسین اور اہل بیت کی تذلیل وتوہین کا سامان بھی ہے۔

عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

"کربلا کی لمبی چوڑی کہانیاں علاوہ اس کے کہ موقع ومحل کے حالات ان کے وقوع کے لئے گنجائش نہیں دکھاتے اور علاوہ اس کے کہ ان قصوں کی سندیں نہایت بے وقعت ہیں، یہ قصے متعدد پہلوؤں سے خانوادہ نبوت پر داغ بنتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔حضرت حسین کا اپنے آپ کو اپنی زبان سے مقدس اور مقبول بارگاہ حق بتانا، جس کی کوئی گنجائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سے نہیں ہے، اپنے دشمنوں کو بددعائیں دینا، جوان کے نانا کی سنت نہیں ہے اور مردوں کا میدان جنگ میں شیوہ نہیں، سیدہ زینت بنت خاتون جنت کا بین وبکا کرتے ہوئے بار بار میدان جنگ میں آنا اور لاشوں سے لپٹ کر رونا چلانا، پھر حسین کے لئے عمر بن سعد سے رحم کی اپیل کرنا (؟) بھلا یہ باتیں کہیں خانوادہ نبوت کی خواتین کو زیب دیتی ہیں؟؟ اور خاتون بھی علی مرتضی جیسے شیر مرد کی بیٹی، یہ روایتیں اگر قابل اعتبار ہوسکتی ہیں تو صرف ان لوگوں کے لئے جنہیں خانوادہ نبوت کی محبت کے نام پر ان کی مظلومیت کے ماتم کی دوکان کھولنی ہے، خواہ مظلومیت کی اس داستان کو رنگین کرنے کے لئے ان تمام چیزوں کا اپنے ہی ہاتھوں سے خون کرنا پڑے جو اس خانوادے کا اور کسی بھی خانوادے کا شرف اور اس کی عزت ہوں"[واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص۲۳۸]۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"یہ ساری کہانیاں، جن میں سے کتنی ہی ایسی ہیں جو دراصل حسین کی شان کو داغ لگاتی ہیں، صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سبائی ذہن کے ماتحت گھڑی گئی ہیں جو برابر فرزندان اسلام کی متاع دین ودانش لوٹ لینے کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا"[واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص۲۳۱]۔



الغرض یہ ساری کہانیاں اور یہ تمام قصے وافسانے خالص کذب وافتراء اور مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں، یہ عقلا اورنقلا کسی لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم نے روداد کربلا کے بیان میں انہیں بالکل جگہ نہیں دی ہے۔

فصل ثالث : حادثہ کربلاکی روایات اور الزام تراشیاں

حادثہ کربلا کی جوداستان ہمارے یہاں عام طور پرمشہور ہے اس میں بہت سی شخصیات پر بے بناد الزامات عائد کئے جاتے ہیں اگلی سطور میں ایسے ہی الزامات پر گفتگو ہوگی۔

الف : یزیدبن معاویہ رحمہ اللہ

حادثہ کربلا کولیکر جس شخصیت پر سب سے زیادہ کیچڑ اچھالا گیا ہے وہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ ہیں، ان الزامات سے متعلق مفصل گفتگو ہم تیسرے باب میں کریں گے۔

ب : حسین رضی اللہ عنہ

حسین رضی اللہ عنہ پر الزام یہ ہے کہ وہ یزید کے خلاف نکلے تھے پھر بعض اسے جہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اسے طلب امارت کہہ کر اجتہادی خطا قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں اوران سے بلاوجہ حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے۔

دراصل حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کیوں گئے تھے یہ اسلامی تاریخ کا ایک معمہ ہے، کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی کھل کر اپنی زبان سے یہ کہا ہی نہیں کہ کوفہ جانے سے ان کا مقصود کیا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

(((رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف؟ تو حقیقت یہ ہے کہ بعد کی حاشیہ آرائیوں اور فلسفہ طرازیوں سے صرف نظر کرکے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ **حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واضح الفاظ میں اپنے موقف کی کبھی وضاحت ہی نہیں فرمائی کہ وہ کیا چاہتے تھے؟ اوران کے ذہن میں کیا تجویز تھی؟** یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد جب گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے انہیں یزید کی بیعت کی دعوت دی تو انہوں نے فرمایا

کہ میں خفیہ بیعت نہیں کر سکتا، اجتماع عام میں بیعت کروں گا۔

"أما ما سألتني من البيعة فإن مثلي لا يعطي بيعته سراً ولا أراك تجتزی ء بها مني سراً دون أن نظهرها على رؤوس الناس علانية "(الطبری: ۱/ ۲۵۱)

گورنر نے انہیں مزید مہلت دے دی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ مہلت پا کر مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔ مکہ پہنچ کر بھی انہوں نے کوئی وضاحت نہیں کی، البتہ وہاں سے کوفہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں جس کی خبر پا کر ہمدرد و بہی خواہ، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ متعدد صحابی بھی تھے، انہیں کوفہ جانے سے روکتے رہے لیکن وہ کوفہ جانے پر ہی مصر رہے۔ حتی کہ ایک موقعے پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار عبداللہ بن جعفر گورنر مکہ عمرو بن سعید کے پاس آئے اور ان کے استدعا کی آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام ایک چٹھی لکھ دیں جس میں واضح الفاظ میں انہیں امان دیے جانے اور ان سے حسن سلوک کرنے کا ذکر ہوتا کہ حسین رضی اللہ عنہ واپس آ جائیں اور کوفہ نہ جائیں۔ گورنر مکہ نے کہا کہ آپ جو چاہیں لکھ کر لے آئیں میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے الفاظ میں ایک امان نامہ لکھ لائے جس پر گورنر کوفہ نے اپنی مہر لگا دی۔ عبداللہ بن جعفر نے پھر درخواست کی کہ یہ چٹھی بھی آپ خود اپنے ہی بھائی کے ہاتھ حضرت حسین تک پہنچائیں تاکہ حسین پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ ساری جد وجہد گورنر مکہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ گورنر مکہ نے ان کی یہ بات بھی قبول کر لی اور اپنے بھائی کو بھی عبداللہ بن جعفر کے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جا کر ملے لیکن حضرت حسین نے معذرت کر دی اور کوفہ جانے پر ہی اصرار کیا اور یہاں بھی اپنے موقف کی وضاحت نہیں کی بلکہ صاف لفظوں میں کہا کہ **میں کوفہ جس مقصد کے لیے جا رہا ہوں وہ صرف مجھے معلوم ہے اور وہ میں بیان نہیں کروں گا۔** (الطبری: ۴/ ۲۹۱-۲۹۲)

خود شیعہ مورخ ابن طقطقی بھی لکھتا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو انہیں مسلم کے حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ جب کوفے کے قریب پہنچ گئے تو انہیں مسلم کے قتل کا علم ہوا۔ وہاں انہیں لوگ ملے اور انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکا اور انہیں ڈرایا لیکن حسین رضی اللہ عنہ واپس ہونے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کوفہ جانے کا عزم جاری رکھا۔ **ایک ایسے مقصد کے لیے جسے وہ خود ہی جانتے تھے۔**

"فلم يرجع وصمم على الوصول إلى الكوفة لأمر هو أعلم به من الناس" (الفخری، ص: ۸۵، طبع مصر))) [رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا: ص ۳۶-۳۷]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر کوفہ کی طرف جا رہے تھے تو آپ کا پلان کیا تھا؟ بالفرض اگر اہل کوفہ آپ کے ساتھ عہد شکنی نہ کرتے تو کیا واقعات پیش آتے؟ **تاریخ کی کتب میں ہمیں آپ کے اپنے الفاظ میں آپ کے ارادے کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔** یہ بعض تجزیہ نگاروں کی محض قیاس آرائی ہی ہے کہ آپ کوفہ کی حکومت سنبھال کر اہل شام کے ساتھ جنگ کرتے''۔[سانحہ کربلا۔تحریر و تحقیق: محمد مبشر نذیر: ماخوذ از محدث فورم،ص 1]۔

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ نے اپنی زبان سے کبھی اپنے موقف کی کھلے عام وضاحت ہی نہیں کی اسی لئے بعض نے اسے جہاد سمجھ لیا اور بعض نے خروج، لیکن ہماری نظر میں جہاد اور خروج یہ دونوں ہی باتیں محل نظر ہیں کیونکہ ان دونوں سے حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے اور کسی ادنی مسلمان پر بھی کوئی الزام عائد کرنے کے لئے ٹھوس ثبوت درکار ہے۔

ہمارے نزدیک اس سلسلے میں سب سے مناسب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ جانا نہ تو جہاد کے لئے تھا اور نہ ہی طلب خلافت کے لئے ، بلکہ آپ کا مقصد امت میں اصلاح کا کام کرنا تھا جیسا کہ ہم حادثہ کربلا کی روداد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بتلا چکے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سفر پرامن مقاصد کے لئے تھا، آپ رضی اللہ عنہ کوفہ جا کر اہل کوفہ میں اصلاح کا کام کرنا چاہتے تھے،کوفی چاہتے تھے کہ صفین کی تاریخ دہرائیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرائیں،یعنی امت میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور فتنہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی:

ایک بار پھر سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي أَرْجُو أَنْ لَّا يَكُونَ خُرُوجُ الْحُسَين لأَمْرٍ تَكْرِهه. وَلَسْتُ أَدَعُ النَّصِيحَة لَه فِيمَا يَجْمَعُ اللّٰه بِه الأُلفة وَيطفِي بِه النَّائِرة .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جوابا یزید کو لکھا کہ: مجھے پوری امید ہے کہ (کوفہ کی طرف) حسین رضی اللہ عنہ کسی **ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے ہیں جو آپ کو ناپسند ہو** اور میں انہیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں

کردوں گا جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا اور فتنہ کی آگ بجھ جائے گی[الطبقات الکبری :۔۱/۴۵۰، تاریخ مدینة دمشق:۔۲۱۰/۱۴، بغیة الطلب فی تاریخ حلب :۔۲۶۱۱/۶، البدایة والنهایة:۔۱۶۴/۸، تهذیب الکمال للمزی:۔۴۲۰/۶، سیر أعلام النبلاء للذهبی:۔۳۰۴/۳]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتے داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہل کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی جو وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ **آپ کا کوئی ارادہ بغاوت برپا کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومت وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ حکومت کے رویے سے بھی ظاہر یہی تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے'**' [سانحہ کربلا۔تحریر و تحقیق: محمد مبشر نذیر: ماخوذ از محدث فورم، ص 1]۔

لیکن حادثہ کربلا کی جو کہانی ہمارے یہاں مشہور ہے اس رو سے حسین رضی اللہ عنہ پر دو الزام عائد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ حکومت وقت کے خلاف جہاد کرنے کی غرض سے نکلے تھے، لیکن چونکہ حکومت وقت میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی کہ اس کے خلاف جہاد واجب تھا اس لئے یہ بات حسین رضی اللہ عنہ پر الزام ہی ہے۔

بعض دوسرے لوگ حسین رضی اللہ عنہ کے عمل کو جہاد کا نام تو نہیں دیتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اہل کوفہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بلایا تھا تا کہ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں، پھر یہ خطوط دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ گئے تھے، اس موقف میں گرچہ حسین رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا گیا لیکن بہرحال حسین رضی اللہ عنہ پر یہ الزام تو ہے ہی کہ انہوں نے حکومت وقت کے خلاف خروج کیا، اسلام کی اصطلاح میں اس عمل کو بغاوت کہا جاتا ہے لیکن چونکہ حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت سے اس عمل کا صدور ہوا تھا اس لئے یہاں بغاوت کے بجائے خروج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

عرض ہے کہ یہ دونوں باتیں سرے سے ثابت ہی نہیں تفصیل ملاحظہ ہو:

☆ا۔ باطل حکومت کے خلاف جہاد

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کو ظالم و جابر حاکم سمجھتے تھے اور اس کے خلاف جہاد کرنا ضروری سمجھتے تھے اس لئے، آپ نے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے یزید کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

عرض ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام، جہاد کی نیت سے قطعاً نہیں تھا اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

پہلی دلیل:- حسین رضی اللہ عنہ جب اس سفر کے لئے نکلے صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔

دوسری دلیل:- نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس آپ کو اس اقدام سے منع کیا، اگر یہ جہاد ہوتا صحابہ کرام کبھی بھی حسین رضی اللہ عنہ کو اس عظیم کام سے منع نہیں کر سکتے تھے۔

تیسری دلیل:- حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ سفر کوفہ پر نکلے اگر یہ جہاد ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ کو ساتھ نہ لیتے۔

چوتھی دلیل:- راستے میں مسلم بن عقیل کی خبر سن واپسی کا ارارادہ کیا، اگر جہاد کی نیت سے نکلے ہوتے تو واپسی کا گمان تک نہ کرتے، جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

پانچویں دلیل:- جب کوفی فوج نے آپ کو حراست میں لیا تو اس وقت آپ نے ایک پیشکش یہ کی کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دیا جائے، اور جہاد کے مقصد سے آئے ہوتے تو واپسی کی بات نہ کرتے کیونکہ جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

چھٹی دلیل:- کوفی فوج کی حراست میں آپ نے دوسری پیشکش یہ کی کہ مجھے کسی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے، غور کرنے کی بات ہے کہ اگر خود حالت جہاد ہی میں تھے تو پھر کس جہاد کی آرزو کر رہے تھے۔

ساتویں دلیل:- کوفی فوج کی حراست میں آپ نے تیسری پیشکش یہ کی کہ انہیں امیر المؤمنین یزید کے پاس جانے دیا جائے تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں، اگر آپ جہاد کی نیت سے آئے ہوتے تو یزید کو امیر المؤمنین نہ کہتے اور اس سے بیعت کی بات خواب و خیال میں بھی نہ سوچتے۔

☆۲۔حکومت وقت کے خلاف خروج

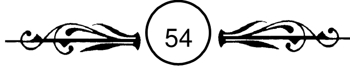
دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے خطوط سے دھوکہ کھا گئے اور یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور باقاعدہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ روانہ ہوئے۔

عرض ہے کہ یہ الزام بھی کوئی معمولی الزام نہیں ہے اور چونکہ کسی بھی صحیح روایت سے حسین رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ثابت نہیں ہوتا اس لئے حسین رضی اللہ عنہ پرخروج کا الزام بھی قابل قبول نہیں ہے، نیز درج ذیل دلائل بھی بتلاتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ سے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کا عمل بھی صادر نہیں ہوسکتا:

پہلی دلیل:۔ حسین رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اہل کوفہ انہیں خطوط دے کر خلافت کے لئے نہیں بلا رہے ہیں بلکہ امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانے کے لئے آپ کا استعمال کرنا چاہتے ہیں چنانچہ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كَـانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يكتبون إليه يَدْعُونَهُ إِلَى الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِي خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كل ذلك يأبى عليهم، فقدم منهم قوم إلى محمد بن الْحَنَفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهُمْ فَأَبَى، وجاء إلى الحسين يعرض عليه أمرهم، فقال له الحسين: إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَأْكُلُوا بِنَا، ويستطيلوا بنا، ويستنبطوا دماء الناس ودماء نا، فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهُمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يجمع الإقامة عنهم

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے تھے اور انہیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کوفی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کردیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آکر ان کی اس پیشکش کے بارے میں بتلایا تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا : **یہ کوفی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کرکے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں**، یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکرمند ہوگئے کبھی سوچتے کہ (اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے) ان کے پاس جا (کر کچھ کر) نا



چاہئے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہئے[البداية والنهاية:١٧٤/٨]۔

حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ خلافت کی امید لے کر آپ کوفہ جائیں۔

دوسری دلیل:۔جب حسین رضی اللہ عنہ کوفہ جانے کی تیاری کر رہے تھے تو یہ خبر یزید کو بھی معلوم ہوئی تو یزید نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکیں۔تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جوابا یزید کو لکھا اور انہیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا خروج آپ کے خلاف نہیں ہے، وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں جو آپ کو ناپسند ہو، اور میں انہیں ایسے کام کی وصیت کروں گا جس سے امت میں اتحاد قائم ہو اور فتنہ کی آگ بجھ جائے (حوالہ گذر چکا ہے)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ یزید کی مخالفت میں نہیں گئے تھے۔

تیسری دلیل:۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكذلك الحسن كان دائما يشير على أبيه وأخيه بترك القتال ولما صار الأمر إليه ترك القتال وأصلح الله به بين الطائفتين المقتتلتين وعلى رضى الله عنه فى اخر الأمر تبين له أن المصلحة فى ترك القتال أعظم منها فى فعله

حسن رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو ترک قتال کا مشورہ دیتے رہے اور جب معاملہ ان کے ہاتھ میں آیا تو اللہ نے ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعت میں صلح کرادی، اور علی رضی اللہ عنہ پر بھی بعد میں یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ قتال کرنے کی بنسبت ترک قتال ہی زیادہ بہتر تھا[منهاج السنة النبوية:٥٣٥/٤]۔

غور کرین کہ حسن رضی اللہ عنہ کے جس مشورہ کو ان کے والد محترم علی رضی اللہ عنہ صحیح تسلیم کر چکے، مزید واقعات نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی، کیونکر ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کی نصیحتون کو بالائے طاق رکھ دیں۔

چوتھی دلیل:۔حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے مسلمان آپس میں لڑتے رہے لیکن جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس سے پورے عالم اسلام میں امن وامان قائم ہو گیا، اب جو امن بڑی مشکل سے قائم ہوا تھا اور حسن رضی اللہ عنہ نے جس کے لئے عظیم قربانی پیش کی تھی، کیونکر ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ تمام تجربات ومشاہدات سے آنکھیں بند کر لیں اور ایسا اقدام کریں جس سے دوبارہ امت میں جنگ وجدال شروع ہو جائے؟؟؟

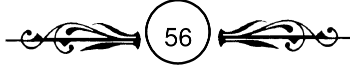
پانچویں دلیل:۔صحیح سند سے ثابت ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں یزید کے پاس جانے کی خواہش کر رہے تھے بلکہ اللہ کا واسطہ دے کر مطالبہ کر رہے تھے کہ انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے:

امام أحمد بن یحیی ،البلاذری (المتوفی ۲۷۹) نے کہا:

حدثنا سعدویه، حدثنا عباد بُن العوام، حَدَّثَنِي حصين، حَدَّثَنِي هلال بن إساف قال: أمر ابن زياد فأخذ مَا بين واقصة، إِلَى طريق الشَّام إِلَى طريق الْبَصْرَة، فلا يترك أحد يلج وَلا يخرج، فانطلق الْحُسَيْن يسير نحو طريق الشَّام يريد يزيد بْن مُعَاوِيَة فتلقته الخيول فنزل كربلاء، وَكَانَ فيمن بعث إِلَيْهِ عمر ابن سعد بن أبي وقاص، وشمر ابن ذي الجوشن، وحصين بْن نمير، فناشدهم الْحُسَيْن أن يسيروه إِلَى يزيد فيضع يده فِي يده

عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام وبصرہ کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ سے ملنے کے لئے شام کی طرف چل پڑے، پھر راستہ میں گھوڑسواروں نے انہیں روک لیا اور وہ کربلا میں رک گئے، ان گھوڑسواروں میں عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر تھے، حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے التجا کی کہ انہیں یزید بن معاویہ کے پاس لے چلیں تا کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں[أنساب الأشراف للبلاذري:۱۷۳/۳ واسناده صحيح على شرط مسلم ، سعدويه هو سعيد بن سليمان الضبي نیز دیکھیں: حادثۂ کربلا ویزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس کیوں جانا چاہتے تھے؟ اگر آپ یزید کی مخالفت میں مکہ سے نکلے تھے تو آخر کیا منہ لے کر یزید کے پاس جانا چاہتے تھے؟؟؟ اور یزید کی بیعت



کے لئے یزید کے پاس جانا ضروری تو نہ تھا، یزید سے دوورہ کی بھی تو یزید کی بیعت ہوسکتی تھے جیسا کہ دیگر علاقے کے لوگوں نے کیا پھر بھی آپ نے یزید کے پاس جانے کی کیوں کوشش کی؟؟

یہ صرف اور صرف اس لئے تا کہ یزید سے بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ اہل کوفہ کی سازش سے بھی یزید کو باخبر کردیں، اسی لئے حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے خطوط ساتھ لئے جا رہے تھے اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف نکلے ہوتے تھے تو حکومت کے ساتھ اس درجہ تعاون کی فکر نہ کرتے۔

الغرض یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے یہ دونوں الزامات بے بنیاد ہیں اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے پرامن مقاصد ہی کے لئے کوفہ کا سفر کیا تھا۔

ج : عبیداللہ بن زیاد

شہادت حسین کے سلسلے میں ابن زیاد پر کچھ کم الزام نہیں ہے بلکہ اس کا نام لیتے وقت بدنہاد کا قافیہ جوڑنا ضروری سمجھا جاتا ہے، ذیل میں ہم ان چیزوں کی وضاحت کرتے ہیں جن کے سبب ابن زیاد کی شخصیت پر کافی کیچڑ اچھالا گیا ہے۔

☆ ار حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن زیاد کا سخت گیر حاکمانہ رویہ:

کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تو ابن زیاد نے یہ شرط لگادی کہ حسین رضی اللہ عنہ پہلے میری بیعت کریں پھر یزید کے پاس جانے کی اجازت ملے گی، اس پر حسین رضی اللہ عنہ تیار نہ ہوئے جس پر لڑائی چھڑ گئی اور نتیجہ میں یہ حادثہ پیش آیا۔

اس بات کو بیان کرنے والا ابومخنف ہے جو کذاب اور رافضی ہے، اور اسی کذاب نے پہلے یہ بیان کیا کہ عبیداللہ بن زیاد نے جب حسین رضی اللہ عنہ کے مطالبے پڑھے تو اس نے منظور کرلیا اور یزید کے پاس جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ ناقل ہے:

فلما قرأ عُبَيْد اللَّهِ الكتاب قَالَ :هَذَا كتاب رجل ناصح لأميره، مشفق عَلَى قومه، نعم قَدْ قبلت

عبیداللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکار اٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے خلیفہ کا خیرخواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے، مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے[تاريخ الطبری:٥/٤١٤]۔۔

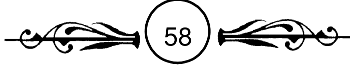
اس کے بعد ابومخنف کہتا ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد کی منظوری کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے اسے بہکایا جس کے بعد ابن زیاد نے یہ فیصلہ بدل دیا۔

عرض ہے کہ عبیداللہ بن زیاد ایک مدبر حکمران تھا کوئی بچہ تو نہیں تھا کہ شمر کے بہکانے سے بہک جائے، نیز شمر بن ذی الجوشن حسین رضی اللہ عنہ کے رشتہ میں آتا ہے اور جنگ صفین میں یہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا [سفینة النجاة لعباس القمی الجزء:٤/٤٩٢] پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس قرابت اور رشتہ داری کے باوجود شمر ذی الجوشن نے حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ابن زیاد کو بھڑکایا، مزید یہ کہ شمر بن ذی الجوشن اور حسین رضی اللہ عنہ کے بیچ کسی دشمنی کا کوئی ادنی سراغ بھی کتب تاریخ میں نہیں ملتا حتی کہ کسی موضوع روایت میں بھی نہیں پھر کیا وجہ تھی شمر بن ذی الجوشن نے حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ابن زیاد کو بہکائے؟؟؟

صاف معلوم ہوتا کہ سچائی صرف اتنی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے منظوری دے دی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ شام کی طرف یزید کے پاس روانہ ہونے والے تھے لیکن کوفی سبائیوں نے رکاوٹ کھڑی کردی اور حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرڈلا، اب اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے ابومخنف کذاب نے یہ جھوٹ گھڑا کہ شمر بن ذی الجوشن کے کہنے پر ابن زیاد نے اپنی بات بدل دی، تاکہ الزام اہل کوفہ پر نہ آئے۔

یادرہے کہ سچ میں جھوٹ کو اس باریکی سے ملانا کہ بات کچھ سے کچھ ہوجائے کذابوں اور کوفیوں نے یہ کام صرف تاریخی روایات ہی کے ساتھ نہیں کیا بلکہ احادیث میں بھی انہوں ایسی ہی پیوندکاری کی ہے، چنانچہ مشہور صحیح حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کے لئے دعاء کی، پھر عراق کے لئے بھی دعا کی درخواست کی گئی تو فرمایا : وہاں تو فتنے ہوں گے، سچی روایت یہیں پر ختم ہوجاتی ہے لیکن جھوٹے راویوں نے اس صحیح روایت میں یہ اضافہ بھی کردیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان کے بعد ایک شخص رونے لگا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم عراق سے ہو تو اس نے کہا ہاں اس کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن أبي إبراهيم عليه السلام هم أن يدعو عليهم فأوحى الله تعالى إليه لا تفعل، فإني جعلت خزائن علمي فيهم، وأسكنت الرحمة قلوبهم



بے شک میرے والد ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اہل عراق پر بددعا کریں تو اللہ تعالی نے ان کی جانب وحی کی کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ میں نے اپنے علم کے خزانے اہل عراق میں رکھے ہیں اوران کے دلوں میں اپنی رحمت ڈال دی ہے[تاریخ بغداد، ۱/ ۵۲]۔

غور فرمائیں ایک صحیح حدیث میں اس پیوندکاری سے بات کیا کیا سے ہوگئی، جب لوگ حدیث میں اس طرح کی پیوندکاری کرسکتے ہیں تو تاریخ میں ان کے لئے کیا مشکل ہے۔

الغرض یہ کہ عقلا اور نقلا کسی طرح بھی یہ بات قابل قبول نہیں ہوسکتی ،گرچہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بھی اس چیز کو بلاتعاقب کے ذکر کردیا ہے لکھتے ہیں:

''عمر بن سعد نے یہ مطالبے (حسین کی سہ رخی پیشکش) ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دئے تا کہ وہ ان کی منظوری دے دے، لیکن اس نے سخت رویہ اختیار کیا اور کہا کہ وہ پہلے یہاں میری بیعت کریں تب میں انہیں یزید کے پاس جانے کی اجازت دوں گا، حضرت حسین کی طبع غیور نے اس بات کو پسند نہیں کیا اور فرمایا: ''لا یــکــون ذلک ابدا'' ایسا کبھی نہیں ہوسکتا اس کے نتیجہ میں وہ جنگ شروع ہوگئی''۔[رسومات محرم الحرام ص۱۰۸]۔

حالانکہ ابن زیاد کی طرف منسوب یہ سخت گیر رویہ یکسر غلط اور غیر ثابت شدہ ہے اور بات صرف ابن زیاد ہی کہ نہیں بلکہ اس چیز کو تسلیم کرلینے سے خود حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی داغ لگتا ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ ضد کی بلکہ یہی ضد اس حادثہ کا سبب قرار پاتی ہے جیسا کہ خود حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے مذکورہ چیز نقل کرنے کے بعد اس بات کا احساس کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت حسین کا ابن زیاد کے انتظامی حکم کے مقابلے میں اپنی عزت نفس اور وقار کو عزیز تر رکھنا، حالانکہ اگر وہ موقع کی نزاکت اور حالات کی خطرناکی کے پیش نظر تھوڑی سی لچک اختیار کرلیتے تو شاید اس المیے سے بچنا ممکن ہوجاتا''۔[رسومات محرم الحرام :ص۱۰۹]۔

غور کیجئے کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے پرخطر حالات جان کر واپسی پر آمادہ ہوگئے، اور کربلا میں صاف کہہ دیا کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لئے تیار ہوں، آخران کے بارے میں یہ کیسے یقین کرلیں کہ انہوں نے محض اپنی ضد اورانا کی خاطر خود اپنی اور اپنے اہل وعیال اور دیگر مسلمین کی خونریزی کا سامان مہیا کردیا ہو۔

یہ بات حسین رضی اللہ عنہ کے مجموعی طرزِ عمل سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی اور نہ ہی سنداً لائق اعتبار ہے اس لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی، لہٰذا نہ تو حسین رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی ضد کی اور نہ ہی ابن زیاد نے ان کے ساتھ ایسا کوئی سخت گیر رویہ اختیار کیا ہے، بلکہ قرین قیاس یہی ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی شرط مان لی تھی جیسا کہ ابو مخنف نے اعتراف کیا ہے، لیکن ابو مخنف نے بعد میں عدم منظوری کی بات اپنی طرف سے وضع کر لی ہے۔

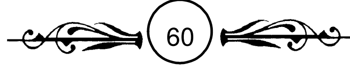
☆۲/ ابن زیاد کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا لایا جانا:

اس پہلو سے ابن زیاد پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ ابن زیاد نے تو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا، ورنہ اگر یہی فلسفہ بروئے کار لایا جائے تو یہی معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے والد محترم اور جنت کی بشارت یافتہ عظیم المرتبت صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اور قاتل ان کے سر کو لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا، چنانچہ:

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰) نے کہا:

أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَال أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ بْنُ زَائِدَةَ بْنِ نَشِيطٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ يَعْنِي الْوَالِبِيَّ قَالَ: دَعَا الأَحْنَفُ بَنِي تَمِيمٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ ، ثُمَّ دَعَا بَنِي سَعْدٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ ، فَاعْتَزَلَ فِي رَهْطٍ ، فَمَرَّ الزُّبَيْرُ عَلَى فَرَسٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ: ذُو النِّعَالِ ، فَقَالَ الأَحْنَف: هَذَا الَّذِي كَانَ يُفْسِدُ بَيْنَ النَّاسِ ، قَال: فَاتَّبَعَهُ رَجُلانِ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ أَحَدُهُمَا فَطَعَنَهُ ، وَحَمَلَ عَلَيْهِ الآخَرُ فَقَتَلَهُ ، وَجَاءَ بِرَأْسِهِ إِلَى الْبَابِ فَقَال: ائْذَنُوا لِقَاتِلِ الزُّبَيْرِ ، فَسَمِعَهُ عَلِيٌّ فَقَال: بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ ، فَأَلْقَاهُ وَذَهَبَ.

ابو خالد الوالبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احنف نے بنو تمیم کو دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی، پھر اس نے بنو سعد کو دعوت دی انہوں نے بھی قبول نہ کی، پس ایک دن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ایک گھوڑے پر جا رہے تھے جس کا نام ذوالنعال تھا، تو احنف نے کہا: یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کے مابین فساد برپا کرتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر احنف کے ساتھیوں میں سے دو لوگوں نے ان کا پیچھا کیا پھر ایک نے ان پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا



اور دوسرے نے حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد احنف زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور اور کہا: زبیر کے قاتل کو (اندر آنے کی) اجازت دیں، علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور کہا: ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دو، پھر احنف نے زبیر رضی اللہ عنہ کے سر کو وہیں پھینکا اور چلا گیا[الطبقات لابن سعد: ۳/ ۱۱۰ واسناده صحیح، واخرجه ایضا ابن عساکر من طریق ابن سعد به وله طرق اخری، نیز دیکھیں میری کتاب: حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اس کے تمام کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

☆۳/ابن زیاد کا حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی بے حرمتی:

خوبصورتی کی مذمت:۔

بخاری کے الفاظ ہیں:

وَقَالَ فِي حُسْنِهِ شَيْئًا

اس نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا[بخاری رقم ۳۷۴۸]۔

ان الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ بخاری کے ان الفاظ کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای من المدح

ابن زیاد نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں تعریفی کلمات کہے[هداية الرواة: ٥/ ٤٦١، حاشیه رقم ٢]۔

اور اس روایت کے اخیر میں جو یہ الفاظ ہیں:

كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حسین رضی اللہ عنہ لوگوں میں آپ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے[بخاری رقم ٣٧٤٨]۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ابن زیاد نے خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی، جبھی تو صحابی رسول نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی مشابہت ذکر کر کے اس کی تائید کی۔

اور بعض روایات میں تو بالکل صراحت ہے کہ ابن زیاد نے اس موقع پر خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی، چنانچہ ابن حبان میں منقول اسی روایت کے الفاظ ہیں:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا !

میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی [صحیح ابن حبان: ٤٢٩/١٥]۔

اور ترمذی کے الفاظ ہیں:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا، لِمَ يُذْكَرُ؟

میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی پھر آپ کا ذکر (شر) کیوں کیا جاتا ہے [ترمذی ٣٧٧٨]۔

ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حسن کی تعریف ہی کی تھی۔

چہرے پر چھڑی مارنا:-

بخاری کے الفاظ ہیں:

فَجَعَلَ يَنْكُت

وہ لکڑی سے زمین کریدنے لگا [صحیح البخاری: رقم ٣٧٤٨]۔

"ینکت" کا معنی ہوتا ہے رنج و غم کی حالت میں سوچ میں پڑ کر باریک اور چھوٹی لکڑی یا انگلی سے زمین کریدنا۔

اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ رنج و غم کی حالت ایسا کرتے تھے۔

امام ابن الأثیر رحمہ اللہ (المتوفی ٦٠٦) نے کہا:

ونَكْت الأرضِ بالقَضيب، وَهُوَ أَنْ يُؤثِّرَ فِيهَا بطَرَفِه، فِعْلَ المُفَكِّر المَهْموم .وَمِنْهُ الْحَدِيثُ فجعَل يَنْكُتُ بقَضيب أَيْ يَضْرب الأرضَ بطَرَفه .وَحَدِيثُ عُمَرَ دخَلْت الْمَسْجِدَ فَإِذَا الناسُ يَنْكُتون بالحَصى أَيْ يَضْربون بِهِ الْأَرْضَ

"نَكْت الأرضِ بالقَضيب" (لکڑی سے زمین کریدنے) کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لکڑی کے ایک سرے سے زمین کریدے، جیسے رنج و غم کی حالت میں سوچ میں پڑ کر کوئی کرتا ہے۔ اور اسی مفہوم میں حدیث کے الفاظ ہیں "فجعَل يَنْكُتُ بقَضيب" ((عبیداللہ بن زیاد) لکڑی سے زمین کریدنے لگا) یعنی لکڑی کے ایک سرے سے زمین پر مارنے لگا۔ [النهاية في غريب الحديث والأثر: ١١٣/٥ وانظر لسان العرب: ٢٠٠/٢]۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے:

بَابُ الرَّجُلِ يَنْكُتُ الشَّيْءَ بِيَدِهِ فِي الأَرْضِ

یعنی اس بات کا بیان کہ آدمی کسی چیز سے زمین کریدے[صحيح البخاری ۴۸/۸]۔

پھر اس کے تحت ایک جنازہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت سے متعلق حدیث ہے اور یہ غم کا موقع ہوتا ہے اس میں ہے:

فَجَعَلَ يَنْكُتُ الأَرْضَ بِعُودٍ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی سے زمین کو کریدنے لگے[صحيح البخاری ۴۸/۸]۔

معلوم ہوا کہ اہل عرب کے یہاں "ینکت" کا عمل سوچ اور غم کے وقت ہوتا تھا، اور شہادت حسین اور حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے مشاہدہ سے ابن زیاد بھی سوچ اور غم میں پڑ گیا اور اس سے بھی اسی طرح کا عمل ہوا یعنی وہ کسی چھوٹی اور باریک لکڑی سے زمین کرید رہا تھا۔

چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵) نے اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے کہا:

قَوْلُه:(فَجعل ينكت) أَي:فَجعل عبيد الله بن زِيَاد ينكت أَي:يضْرب بقضيب على الأَرْض فيؤثر فِيهَا

بخاری کی حدیث میں (کریدنے لگا) کا مطلب یہ ہے کہ عبیداللہ بن زیاد ایک لکڑی کو زمین پر رکھ کر کریدنے لگا [عمدة القاري شرح صحيح البخاري:۲۴۱/۱۶]۔

پھر جب حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کو اس نے بغور دیکھا تو تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا اور تعریف کرتے ہوئے اس نے اسی لکڑی سے جس سے زمین کرید رہا تھا حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا جیسا کہ دیگر روایات میں ہے اور آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی۔

یادرہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ابن زیاد کا یہ عمل حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ مباشرۃ تھا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس نے دور سے اس لکڑی کے ذریعہ فقط اشارہ کیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری سمیت متعدد روایات میں صرف "ینکت"، یعنی "کریدنے" کا ذکر ہے، اور عربی زبان میں عام طور سے اس سے زمین کریدنا ہی مراد ہوتا ہے اور بعض روایات میں اس کے ساتھ اضافہ بھی ہے مگر کسی میں "آنکھ" کا ذکر ہے کسی میں "ناک" کا ذکر ہے کسی میں "ہونٹ" کا ذکر ہے

اور کسی میں ''دانت'' کا ذکر ہے۔

یہ اختلاف بتلاتا ہے کہ کریدنے کا عمل زمین کے ساتھ تھا اور چہرے کی طرف فقط اشارہ کیا گیا تھا جسے بعض رواۃ نے ''آنکھ''، بعض نے ''ناک''، بعض نے ''ہونٹ'' اور بعض نے ''دانت'' کے ساتھ ذکر یا۔

اور بعض روایات میں اشارہ کی صراحت بھی ہے چنانچہ ترمذی کے الفاظ ہیں:

فَجَعَلَ يَقُولُ بِقَضِيبٍ فِي أَنْفِهِ

یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کہنے لگا [ترمذی ۳۷۷۸]۔

علامہ مبارکپوری ترمذی کے اس جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

(فَجَعَلَ يَقُولُ) أَيْ فَجَعَلَ (عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ يُشِيرُ بِقَضِيبِ)

یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کچھ کہنے لگا [تحفة الأحوذي: ۱۰/۱۹۲]۔

جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

''جب ایک روایت ٹھوکا دینے کے بجائے اشارہ کرنے کی موجود ہے تو کم از کم شک کا فائدہ ابن زیاد کو پہنچنے سے ہم نہیں روک سکتے'' [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۶۲]۔

اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے اس طرز عمل پر صحابی رسول انس رضی اللہ عنہ نے کوئی نکیر نہیں کہ بلکہ عبیداللہ کی طرف سے مدح حسن کی تائید کی، اور عبداللہ بن زیاد نے گستاخانہ طور پر ایسی کوئی حرکت کی ہوتی تو دس سال تک آپ ﷺ خدمت کرنے والے انس رضی اللہ عنہ ضرور نکیر کرتے۔

یاد رہے کہ فتح الباری وغیرہ میں طبرانی وبزار کے حوالے نکیر کی جو روایت منقول ہے وہ سخت ضعیف ہے، اسی طرح ابن زیاد سے متعلق یہ روایت کہ اس کی موت پر اس کے سر میں بھی سانپ داخل ہوا یہ بھی ضعیف ومردود ہے اس میں اعمش مدلس ہے اور روایت عن سے ہے [مزید تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

لہٰذا قرین انصاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن زیاد نے کوئی گستاخی ہرگز نہیں کی ہوگی اور احترام ہی سے پیش آیا ہوگا۔

بلکہ ایک صحیح روایت کے مطابق تو عبداللہ بن زیاد نے اس موقع پر حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت سے

یاد کیا[أنساب الأشراف للبلاذری :۲۲۶/۳ و اسناده صحیح] اور اہل عرب ازراہ تعظیم کنیت سے یاد کیا کرتے تھے چنانچہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

''اس روایت میں سب باتیں خود سمجھ لینے کی ہیں، مگر ایک نقطہ عام قارئین کے اعتبار سے وضاحت طلب ہے کہ اہل عرب کے یہاں کنیت سے کسی کا ذکر یا اس کو خطاب از راہ تعظیم ہوتا تھا، اس روایت کے مطابق ابن زیاد نے حضرت حسین کا ذکر آپ کی کنیت ابو عبداللہ سے کیا ہے اور چھڑی سے کہیں ٹھوکا نہیں دیا ہے بلکہ اشارہ کیا ہے، جو ابن زیاد کے رویے کو کافی مختلف شکل دینے والی بات ہے'' [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص۲۵۶]۔

اور اسی بلاذری کی صحیح روایت میں یہ بھی ہے کہ:

وأمر ببناته ونسائه فكان أحسن مَا صنع بهن أن أمر لهن بمنزل في مكان معتزل فأجرى عليهن رزقا وأمر لهن بكسوة ونفقة .ولجأ ابنان لعبد اللَّه بْن جعفر إِلَى رجل من طيّء فضرب أعناقهما وأتى ابْن زياد برء وسهما! فهم (ابن زياد) بضرب عنقه وأمر بداره فهدمت.

یعنی حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج ان کی بیٹیوں بارے میں ابن زیاد نے یہ حکم دیتے ہوئے سب سے اچھا کام کیا کہ ان کے قیام کے لئے ایک خاص اور الگ جگہ پر انتظام کیا اور ان کا کھانا پانی بھی وہیں پہنچانے کا حکم دیا اور ان کے کپڑے اور دیگر اخراجات فراہم کرنے کے بھی احکام دئے، اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹوں نے بنو طے کے ایک شخص کے یہاں رکنے کا سوال کیا تو اس (ظالم) نے انہیں قتل کر دیا اور ان کے سر لا کر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پہونچا، یہ دیکھ عبداللہ بن زیاد نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا اور اس کے گھر کو منہدم کروا دیا[أنساب الأشراف للبلاذری :۲۲۶/۳ و اسناده صحیح]

اس روایت پر غور کیجئے کیا اس طرح کے کردار کا مالک شخص حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کر سکتا ہے، جب ابن زیاد عبداللہ بن جعفر کے بچوں کے قتل پر آگ بگولہ ہو گیا اور قاتل کو سزا دی اس کے گھر کو گروا دیا تو پھر یہی عبیداللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر کوئی نازیبا حرکت کیسے کر سکتا ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ جس شخص نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا تھا اسے عبیداللہ بن زیاد نے ضرور قتل کیا ہوگا چنانچہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے:

حزّ رأسه وأتى به عبيد الله وهو يقول :أوقر ركابي فضّة وذهبا ...أنا قتلت الملك

المحجّبا ....خير عباد الله أمّا و أبا فقال له عبيد الله بن زياد :إذا كان خير الناس أما و أبا و خير عباد الله، فلم قتلته؟ قدّموه فاضربوا عنقه .فضربت عنقه .

حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل آپ کا سر قلم کر کے عبداللہ بن زیاد کے پہو نچا اور کہنے لگا : آج میں اپنی پیالی سونے چاندی سے بھر لوں گا، آج میں نے چھپے ہوئے بادشاہ کا قتل کیا ہے، جو ماں باپ کے اعتبار سے اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر تھے، یہ سن کر عبیداللہ بن زیاد نے کہا : جب وہ اللہ کے تمام بندوں میں ماں باپ کے لحاظ سے سب سے بہت تھے تو تو نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے حکم صادر کیا کہ اس کو آگے لے جا کر قتل کر دو، چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی [العقد الفريد: ٣٠/٥ ، العواصم من القواصم: ٢٤٠، الصواعق المحرقة:٥٧٧/٥ ، سمط النجوم:٣٨٥/٣، مروج الذهب:١٤١/٣]۔

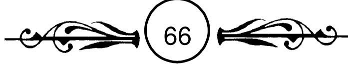
علاوہ بریں عبداللہ بن جعفر کے بیٹوں کے سرلانے والے کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد نے جو کچھ کیا اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سرلانے والے کو بھی عبداللہ بن زیاد نے معاف نہ کیا ہوگا بلکہ اس کی گردن مروادی ہوگی جیسا کہ اس روایت میں ہے۔

شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ سابق ایڈیٹر مجلّہ الاستقامہ (عربی) لکھتے ہیں:

''اس وقت پورے عالم اسلام میں سبھی ان سے محبت کرتے تھے، والہانہ ان کو چاہتے تھے یزید، عبیداللہ بن زیاد، عمر بن سعد جن پر قتل کا شیعی الزام آتا ہے وہ بھی ان کے ساتھ فی الواقع کسی گستاخی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ عبیداللہ بن زیاد نے قاتل حسین رضی اللہ عنہ کی گردن ماردی'' [مجله الاحسان :جلد:١]۔

اس کے ساتھ ساتھ صحیح مسلم کی اس حدیث پر غور کیا جائے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ ابْنَ زِيَادٍ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ :مَنْ أَهْدَى هَدْيًا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ، حَتَّى يُنْحَرَ الْهَدْيُ، وَقَدْ بَعَثْتُ بِهَدْيِي، فَاكْتُبِي إِلَيَّ بِأَمْرِكِ، قَالَتْ عَمْرَةُ :قَالَتْ عَائِشَةُ لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاس:أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِيَدَيَّ، ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي، فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللهُ لَهُ، حَتَّى نُحِرَ الْهَدْيُ



عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس نے (بغیر حج وعمرہ کے گھر میں رہتے ہوئے) قربانی بھیجی، اس پر وہ چیزیں جو حاجی پر حرام ہوتی ہیں جب تک کہ قربانی ذبح نہ ہو جائے، حرام ہو گئیں اور میں نے قربانی روانہ کی ہے پس جو حکم ہو مجھے بتا دیجئے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جس طرح کہا ویسا نہیں ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے ہار بٹے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گلے میں ڈال کر میرے والد کے ساتھ قربانی روانہ کر دی اور اس کے ذبح تک کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام نہ ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر حلال کی تھی[صحیح مسلم:۹۵۹/۲]۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد نیک طبیعت کا حامل، خیر متلاشی تھا صحابہ کرام سے فتاوے پوچھتا تھا، بھلا ایسا شخص حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کیسے کر سکتا ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد کا مذکورہ عمل از روئے گستاخی نہیں تھا بلکہ فکر و غم میں وہ لکڑی سے زمین کرید رہا تھا اور حسین رضی اللہ عنہ کے حسن کو دیکھ کر اس نے اسی لکڑی سے آپ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا اور آپ کے حسن کی تعریف کی جس کی تائید وہاں پر موجود انس رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔

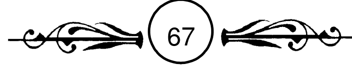
د : عمر بن سعد بن ابی وقاص

بعض روایات میں عمر بن سعد بن ابی وقاص پر قتل حسین کا الزام ہے لیکن یہ بھی جھوٹ ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

ھ : شمر بن ذی الجوشن

شمر پر الزام ہے کہ اس نے عبیداللہ بن زیاد کو بھڑکایا جس کے نتیجہ شہادت کا واقعہ پیش آیا لیکن یہ بات جھوٹ ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں وضاحت کی جا چکی ہے۔





باب سوم: سیرت یزید بن معاویہ

فصل اول: یزید کے مناقب

الف: آیات قرانی کی روشنی میں

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

آپ کہہ دیجئے اے اللہ ! اے تمام جہان کے مالک ! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے[آل عمران:٢٦]۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں کو حکومت ملنا عزت وشرف کا باعث ہے، اور یزید بن معاویہ کو اللہ تبارک وتعالی نے خیر القرون کی حکومت عطا کی۔

ب: احادیث مبارکہ کی روشنی میں

اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُم

میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور ہوں[صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب ما قيل في قتال الروم رقم ٢٩٢٤]۔

یاد رہے کہ مدینہ قیصر پر سب سے پہلے لشکر کشی کرنے والے سب بخش دیے جائیں گے یہ بھی بخاری ہی میں ہے اور اس پہلے حملہ کے امیر یزید رحمہ اللہ تھے یہ بھی بخاری ہی میں ہے، ملاحظہ ہو:

قال محمود بن الربيع: فحدثتها قوما فيهم أبو أيوب صاحب رسول الله ﷺ في غزوته التي توفي فيها، ويزيد بن معاوية عليهم بأرض الروم

محمود بن ربیع نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی جگہ میں بیان کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ روم کے اس جہاد کا ذکر ہے جس میں آپ کی موت واقع ہوئی تھی۔ فوج کے سردار یزید بن معاویہ تھے۔[بخاری ١١٨٦(ترجمہ داؤد راز)]۔

بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ امیر یزید رحمہ اللہ کی امارت میں مدینہ قیصر پر حملہ ہوا۔

اب اس سے پہلے کسی بھی حملہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے بخاری کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ یزید رحمہ اللہ ہی کی امارت میں مدینہ قیصر پر سب سے پہلے حملہ ہوا۔

بخاری کی شرح کرنے والے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر پوری امت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ یزید رحمہ اللہ کی امارت میں سب سے پہلے غزوہ قیصر پر حملہ ہوا ملاحظہ ہو:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

فإنه كان أمير ذلک الجيش بالاتفاق

یزید رحمہ اللہ اس پہلے لشکر کے امیر تھے، اس پر سب کا اتفاق ہے[فتح الباری لابن حجر:۱۰۳/۶]۔

☆امام مہلب بن احمد اسدی (۴۳۵) فرماتے ہیں:

"من هـذا الـحديث ثبتت خلافة يزيدوفيه أنه من أهل الجنه،وفى فى هذا الحديث منقبة لمعاوية لأنه أول من غزا البحر ومنقبة لولده يزيد لأنه أول من غزا مدينة قيصر"

اس حدیث سے یزید کی خلافت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ جنتی ہے نیز اس حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے سمندری لڑائی لڑی اور ان کے لڑکے یزید کے لئے بھی منقبت ہے کیونکہ یزید ہی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا[قيد الشريد: ص ۵۷، انظر ايضا فتح الباری لابن حجر:۱۰۲/۶]۔

☆امام قسطلانی (المتوفی ۹۲۳) فرماتے ہیں:

واستدلّ به المهلب على ثبوت خلافة يزيد وأنه من أهل الجنة

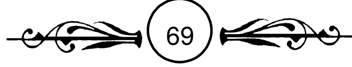
اس حدیث سے مہلب نے یزید کی خلافت پر استدلال کیا ہے اور اس بات پر کی یزید اہل جنت میں سے ہے[إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری:۱۰۴/۵]۔

☆نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں:

استدل به على خلافة يزيد ، وانه من اهل الجنه

اس حدیث سے یزید کی خلافت پر استدلال کیا گیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہل جنت میں سے ہے[عون الباری لحل ادلة البخاری: ۱۳۹/۴]۔

بعض لوگ کہتے ہیں یزید کو سب سے پہلے جنتی کہنے والے شخص محمود عباسی ہیں، مذکورہ حوالہ کی روشنی



میں یہ بات غلط ہے کیونکہ محمود عباسی سے قبل بھی اہل علم نے یزید کے جنتی ہونی کی بات کہی ہے۔

ج :اثار صحابہ وسلف کی روشنی میں

☆ **یزید کی مدح وثناءاور بیعت من جانب ابن عباسؓ،بسند حسن:**

امام أحمد بن یحیی ،البلاذری (المتوفی ۲۷۹) اپنے استاذ امام مدائنی سے نقل کرتے ہیں:

الْمَدَائِنِيّ عَنْ عبد الرحمن بْن مُعَاوِيَة قَالَ، قَالَ عامر بْن مسعود الجمحي :إنا لبمكة إذ مر بنا بريد ينعى مُعَاوِيَة، فنهضنا إلى ابن عباس وهو بمكة وعنده جماعة وقد وضعت المائدة ولم يؤت بالطعام فقلنا له :يا أبا العباس، جاء البريد بموت معاوية فوجم طويلًا ثم قَالَ :اللَّهم أوسع لِمُعَاوِيَةَ، أما واللَّه ما كان مثل من قبله ولا يأتي بعده مثله وإن ابنه يزيد لمن صالحي أهله فالزموا مجالسكم وأعطوا طاعتكم وبيعتكم، هات طعامك يا غلام، قَالَ :فبينا نحن كذلك إذ جاء رسول خالد بْن العاص وهو على مَكَّة يدعوه للبيعة فَقَالَ :قل له اقض حاجتك فيما بينك وبين من حضرك فإذا أمسينا جئتك، فرجع الرسول فَقَالَ :لا بدّ من حضورك فمضى فبايع.

عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینے والا ہمارے پاس سے گذرا تو ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچے وہ بھی مکہ ہی میں تھے، وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور دسترخوان لگایا جاچکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا، تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوالعباس !ایک قاصد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لایا ہے، یہ سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا :اے اللہ !معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت وسیع فرما، یقیناً آپ ان لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو آپ سے پہلے گذر چکے لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی نہ دیکھنے کو ملے گا اور آپ کے صاحبزادے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ آپ کے خاندان کے نیک وصالح ترین شخص ہیں، اس لئے اے لوگو !اپنی اپنی جگہوں پر رہو اور ان کی مکمل اطاعت کرکے ان سے بیعت کرلو، (اس کے بعد غلام سے کہا) اے غلام کھانا لیکر آؤ، عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص المخز ومی رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا وہ اس وقت مکہ کے عامل تھے، اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لئے بلایا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا :اس سے کہہ دو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کرلے اور شام ہوگی تو ہم اس کے پاس آجائیں گے، یہ سن کر قاصد لوٹ گیا، اس کے بعد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

عنہ نے فرمایا : ان کے پاس حاضر ہونا لازمی ہے، پھر آپ گئے اور (یزید کی) بیعت کرلی[أنساب الأشراف للبلاذری۲۹۰/۵ واسنادہ حسن لذاتہ]۔

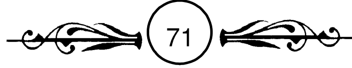
☆ **برادر حسین ﷺ محمد بن حنفیہ کی طرف سے یزید بن معاویہ کی مدح وثناء بسند صحیح:**

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴ھ) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

وقد رواه أبو الحسن علی بن محمد بن عبد الله بن أبی سيف المدائنی عن صخر بن جويرية عن نافع .... ولما رجع أهل المدينة من عند يزيد مشى عبد الله بن مطيع وأصحابه إلى محمد بن الحنفية فأرادوه على خلع يزيد فأبى عليهم فقال ابن مطيع إن يزيد يشرب الخمر ويترک الصلاة ويتعدى حكم الكتاب فقال لهم ما رأيت منه ما تذكرون وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظبا على الصلاة متحريا للخير يسأل عن الفقه ملازما للسنة قالوا فان ذلک كان منه تصنعا لک فقال وما الذی خاف منی أو رجا حتى يظهر إلی الخشوع أفأطلعكم على ما تذكرون من شرب الخمر فلئن كان أطلعكم على ذلک إنكم لشركاؤه وإن لم يطلعكم فما يحل لكم أن تشهدوا بما لم تعلموا قالوا إنه عندنا لحق وإن لم يكن رأيناه فقال لهم أبى الله ذلک على أهل الشهادة فقال: ﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ولست من أمركم فی شیء قالوا فلعلک تكره أن يتولى الأمر غيرک فنحن نوليک أمرنا قال ما أستحل القتال على ما تريدوننی عليه تابعا ولا متبوعا قالوا فقد قاتلت مع أبيک قال جيئونی بمثل أبی أقاتل على مثل ما قاتل عليه فقالوا فمر ابنيک أبا القاسم والقاسم بالقتال معنا قال لو أمرتهما قاتلت قالوا فقم معنا مقاما تحض الناس فيه على القتال قال سبحان الله آمر الناس بما لا أفعله ولا أرضاه إذا ما نصحت لله فی عباده قالوا إذا نكرهک قال إذا آمر الناس بتقوى الله ولا يرضون المخلوق بسخط الخالق [البداية والنهاية:۲۳۳/۸]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے بھی اس روایت کو مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

وَزَادَ فِيهِ الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ صَخْرٍ، عَنْ نَافِعٍ :فَمَشَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُطِيعٍ وَأَصْحَابُهُ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ، فَأَرَادُوهُ عَلَى خَلْعِ يَزِيدَ، فَأَبَى، وَقَالَ ابْنُ مُطِيعٍ :إِنَّ يَزِيدَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ، وَيَتْرُكُ الصَّلاةَ، وَيَتَعَدَّى حُكْمَ الْكِتَابِ، قَال: مَا رَأَيْتُ مِنْهُ مَا تَذْكُرُونَ، وَقَدْ أَقَمْتُ عِنْدَهُ، فَرَأَيْتُهُ مُوَاظِبًا لِلصَّلاةِ، مُتَحَرِّيًا لِلْخَيْرِ، يَسْأَلُ عَنِ الْفِقْهِ.....[تاريخ الإسلام للذهبی ت تدمری:۲۷۴/۵]۔



جب اہل مدینہ یزید کے پاس سے واپس آئے تو عبداللہ بن مطیع اوران کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں لیکن محمد بن حنفیہ نے ان کی اس بات سے انکار کردیا تو عبداللہ بن مطیع نے کہا : یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔تو **محمد بن حنفیہ نے کہا کہ میں نے تو اس کے اندر ایسا کچھ نہیں دیکھا جیسا تم کہہ رہے ہو، جبکہ میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ساتھ قیام کر چکا ہوں، اس دوران میں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کا متلاشی علم دین کا طالب، اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔** تو لوگوں نے کہا کہ یزید ایسا آپ کو دکھانے کے لئے کررہا تھا، تو محمد بن حنفیہ نے کہا : اسے مجھ سے کیا خوف تھا یا مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ اسے میرے سامنے نیکی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی ؟؟ کیا تم لوگ شراب پینے کی جو بات کرتے ہو اس بات سے خود یزید نے تمہیں آگاہ کیا؟ اگر ایسا ہے تو تم سب بھی اس کے گناہ میں شریک ہو، اور اگر خود یزید نے تمہیں یہ سب نہیں بتایا ہے تو تمہارے لئے جائز نہیں کی ایسی بات کی گواہی دو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔لوگوں نے کہا : یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے **گرچہ ہم نے نہیں دیکھا ہے**، تو محمد بن حنفیہ نے کہا : اللہ تعالی نے اس طرح گواہی دینے کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿جو حق بات کی گواہی دیں اور انہیں اس کا علم بھی ہو﴾ لہذا میں تمہاری ان سرگرمیوں میں کوئی شرکت نہیں کر سکتا، تو انہوں نے کہا کہ شاید آپ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور امیر بن جائے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بناتے ہیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا : تم جس چیز پر قتال کررہے ہو میں تو اس کو سرے سے جائز نہیں سمجھتا : مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے، لوگوں نے کہا : آپ تو اپنے والد کے ساتھ لڑائی لڑ چکے ہیں؟ تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر میرے والد جیسا شخص اور انہوں نے جن کے ساتھ جنگ کی ہے ایسے لوگ لیکر تو آؤ ! وہ کہنے لگے آپ اپنے صاحبزادوں قاسم اور اور ابوالقاسم ہی کو ہمارے ساتھ لڑائی کی اجازت دے دیں، محمد بن حنفیہ نے کہا : میں اگر ان کو اس طرح کا حکم دوں تو خود نہ تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں ۔لوگوں نے کہا : اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو لڑائی پر تیار کریں، محمد بن حنفیہ نے کہا : سبحان اللہ ! جس کو میں خود ناپسند کرتا ہوں اور اس سے مجتنب ہوں، لوگوں کو اس کا حکم کیسے دوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملوں میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں بدخواہ ہوں۔وہ کہنے لگے پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے، محمد بن حنفیہ نے کہا میں اس وقت

بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کے لئے خالق کو ناراض نہ کرو [البداية والنهاية: ٨/٢٣٣، تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمري: ٥/٢٧٤ واسناده صحيح]۔

اس روایت کو امام ابن کثیر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے امام مدائنی کی کتاب سے سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے اور یہ سند بالکل صحیح ہے۔

☆ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ یزید کو "رحمہ اللہ" کہتے تھے

وقال بن شوذب سمعت إبراهيم بن أبى عبد يقول سمعت عمر بن عبد العزيز يترحم على يزيد بن معاوية

ابراہیم بن ابی عبد کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ کے لئے رحمہ اللہ کہتے ہوئے سنا۔[لسان الميزان لابن حجر: ٦/٢٩٤]۔

☆ امام غزالی رحمہ اللہ کا فتوی

وأما الترحم عليه فهو جائز بل هو مستحبٌ بل هو داخل فى قولنا فى كل صلوٰة اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات فإنه كان مؤمناً

جہاں تک یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" یا "رحمہ اللہ" کہنے کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب (اچھا فعل) ہے بلکہ وہ ازخود ہماری ان دعاؤں میں شامل ہے جو ہم تمام مسلمان کی مغفرت کے لئے کرتے ہیں کہ "**اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات**" یا اللہ! تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے، اس لیے کہ یزید بھی یقیناً مومن تھا۔[وفيات الاعيان لابن خلكان: ٣/ ٢٨٩، طبع بيروت]۔

☆ حافظ عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خلافته صحيحة، وقال بعض العلماء: بايعه ستون من أصحاب النبىﷺ، منهم ابن عمر

یزید کی خلافت صحیح ہے اور بعض علماء کے بقول ساٹھ صحابہ نے ان سے بیعت کی تھی جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں[ذيل طبقات الحنابلة: ٢/٣٤]۔

☆ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کو امیر المؤمنین کہا

امام خلیفۃ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰) نے کہا: **قرءَ عَلَى ابْن بكير وَأَنا أسمع عَن اللَّيْث قَالَ**

توفّى أَمِير الْمُؤْمِنِينَ يَزِيد فِي سنة أَربع وَسِتِّينَ

یعنی امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المؤمنین یزید سن ٦٤ میں فوت ہوئے [تاریخ خلیفة بن خیاط ص٢٥٣ واسناده صحیح]۔

☆ امام ابوبکر ابن العربی (المتوفی ٥٤٣) رحمہ اللہ بجا طور پر فرماتے ہیں:

فإن قيل، كان يزيد خمارًا. قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه بل شهد العدل بعدالته. فروى يحيى بن بكير، عن الليث بن سعد، قال الليث: "توفى أمير المؤمنين يزيد في تاريخ كذا" فسماه الليث "أمير المؤمنين" بعد ذهاب ملكهم وانقراض دولتهم، ولولا كونه عنده كذلك ما قال إلا "توفى يزيد".

اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہ کے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چنانچہ یحیی بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المؤمنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے۔ تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو "امیر المؤمنین" کہا ہے ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر ان کے نزدیک یزید اس درجہ قابل احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے [العواصم من القواصم لابی بکر ابن العربی ط الأوقاف السعودیة ص٢٢٨]۔

☆ امام ابن عساکر (متوفی ٥٧١) کے استاذ اور قاضی بحرین "ابوالفضل محمد بن محمد" فرماتے ہیں:

رأيت يزيد بن معاوية في النوم فقلت له أنت قتلت الحسين فقال لا فقلت له هل غفر الله لك قال نعم وادخلني الجنة

میں نے یزید بن معاویہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا: کیا آپ نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ یزید بن معاویہ نے کہا: نہیں، پھر میں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کی مغفرت فرمادی؟ یزید بن معاویہ نے کہا: ہاں اور اللہ نے مجھے جنت میں داخل کردیا [البدایة والنهایة: ٢٣٦/٨ واسناده صحیح]۔

فصل دوم: یزید کی طرف منسوب مثالب

الف: آیات قرانی سے غلط استدلال

امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے قران مجید کی ایک آیت کو یزید پر فٹ کر کے اس پر لعنت کی جاتی



ہے چنانچہ: امام أبویعلی بن الفراء(المتوفی ۴۵۸) نے کہا:

رأیت بخط أبی حفص العکبری علی ظهر جزء فیه فصل کتب إلی أبو القاسم فرج بن السوادی قال:حدثنا أبو علی الحسین ابن الجندی قال: حدثنا أبو طالب العکبری قال:سمعت أبا بکر محمد بن العباس قال:سمعت صالح بن أحمد بن حنبل یقول :قلت لأبی:إن قوما ینسبونا إلی توالی یزید .فقال: یا بنی وهل یتولی یزید أحد یؤمن باللّٰه .فقلت:فلم لا تلعنه .فقال: ومتی رأیتنی ألعن شیئا .لم لا تلعن من لعنه اللّٰه فی کتابه . فقلت:وأین لعن اللّٰه یزید فی کتابه فقرأ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وتُقَطِّعُوا أَرْحامَكُمْ أُولئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وأَعْمى أَبْصارَهُمْ﴾

امام صالح کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگ ہماری طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں،توانہوں نے کہا :بیٹا ! کیا کوئی ایسا شخص یزید سے محبت کرسکتا ہے جواللہ پرایمان رکھتاہو !تو میں نے کہا کہ : پھرآپ اس پرلعنت کیوں نہیں کرتے؟توانہوں نے کہا : تم نے مجھے کسی پرلعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے؟اورتم اس پرلعنت کیوں نہیں کرتے جس پراللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟ تو میں نے کہا :اللہ نے کہاں اپنی کتاب میں یزید پرلعنت کی ہے؟توانہوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿اورتم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگرتم کوحکومت مل جائے توتم زمین میں فساد برپا کردواور رشتے ناتے توڑ ڈالو یہ وہی لوگ ہیں جن پراللہ کی پھٹکار ہے اورجن کی سماعت اورآنکھوں کی روشنی چھین لی ہے ﴾[المسائل العقدیة :ص۹٤واخرجه ابن الجوزی فی الرد علی المتعصب ص۲۸واسناده ضعیف جدا]۔

عرض ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے،کیونکہ اس میں یکے بعددیگر مسلسل چاررواۃ مجہول ہیں اوروہ یہ ہیں: أبوالقاسم فرج بن السوادی ،أبوطالب العکبر ی،أبوبکر محمد بن العباس،أبوعلی الحسین ابن الجند ی ۔

کتاب الروایتین کے محقق کوبھی ان رواۃ کے تراجم نہیں ملے ،البتہ محقق نے أبوالقاسم فرج بن السوادی کے بارے میں یہ گمان ظاہرکیا ہے کہ یہ عبیداللہ بن عثمان الفرج ابوالقاسم ہوسکتے ہیں لیکن اس کی کوئی دلیل ذکرنہیں کی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس کی سند سخت ضعیف ومردود ہے،کیونکہ پے درپے چاررواۃ مجہول ونامعلوم ہیں گویا کہ آدھی سندہی کالعدم ہے،اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کوغیرثابت کہنے

کے ساتھ ساتھ منقطع بھی کہا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ونقلت عنه رواية فی لعنة يزيد وأنه قال ألا ألعن من لعنه الله واستدل بالاية لكنها رواية منقطعة ليست ثابتة عنه والاية لا تدل علی لعن المعين

امام احمد رحمہ اللہ سے یزید پر لعنت کرنے سے متعلق ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: کیا میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور مذکورہ آیت سے استدلال کیا، لیکن یہ روایت منقطع اور غیر ثابت ہے، نیز آیت میں بھی فرد معین پر لعنت کرنے کی دلیل نہیں ہے [منهاج السنة النبوية: ٤/٥٧٣]۔

واضح رہے کہ اگر یہ بات امام احمد رحمہ اللہ سے ثابت بھی ہو جاتی تو بھی غیر مسموع تھی کیونکہ پیش کردہ آیت سے مذکورہ استدلال درست نہیں جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

یاد رہے کہ شروع میں امام احمد رحمہ اللہ نے یزید پر کچھ الزامات لگائے تھے لیکن بعد میں اس سے رجوع کرلیا: دکتور محمد بن ہادی الشیبانی لکھتے ہیں:

فی عقيدة أحمد التی كتبت عنه ، وذلک قبل ثلاثة أيام من وفاته: وكان يمسک عن يزيد بن معاوية ويكله الی الله

امام احمد رحمہ اللہ کی وفات سے تین دن قبل ان کے جو عقائد لکھے گئے ان میں ہے کہ : امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتے [مواقف المعارضة فی عهد يزيد بن معاوية : ص ٧٢٢ بحواله طبقات الحنابله : ج ٢ ص ٢٧٣]۔

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید کے معاملے کو اللہ کے سپرد کردیا تھا یعنی یزید بن معاویہ پر قتل یا لوٹ مار یا کسی بھی قسم کا الزام لگانے سے رجوع کرلیا تھا، لہٰذا ان کے جس قول میں یزید بن معاویہ پر ظلم یا لوٹ مار کا الزام ہے اس قول سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ رجوع کر چکے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی جرح سے رجوع کرلیا بلکہ اسے خیر القرون کی فضیلت کا حامل بھی بتلایا ہے، چنانچہ:

امام أبوبکر، الخلال (المتوفی ۳۱۱) نے کہا:

أخبرني أحمد بن محمد بن مطر وزكريا بن يحيى أن أبا طالب حدثهم قال سألت أبا عبدالله من قال لعن الله يزيد بن معاوية قال لاأتكلم في هذا قلت ما تقول فإن الذي تكلم به رجل لا بأس به وأنا صائر إلى قولك فقال أبو عبدالله قال النبي لعن المؤمن كقتله وقال خير الناس قرني ثم الذين يلونهم وقد صار يزيد فيهم وقال من لعنته أو سببته فاجعلها له رحمة فأرى الإمساك أحب لي

ابو طالب عصمہ بن ابی عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ : جو کہے کہ یزید بن معاویہ پر اللہ کی لعنت ہو اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ جس نے یہ بات کہی ہے وہ معتبر آدمی ہے اور میں آپ کے قول کو اپناؤں گا ! تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا : اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا : سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا زمانہ جو اس کے بعد آئیں گے۔۔ اور یزید اس دور کے لوگوں میں شامل ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: میں نے جس پر لعنت کی یا برا بھلا کہا تو اے اللہ اسے اس کے حق میں رحمت بنادے، اس لئے خاموشی ہی میرے نزدیک بہتر ہے [السنة للخلال: ۵۲۱/۳ رقم۸٤٦ قال المحقق: إسناده صحيح وهو كذلك]۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کو مؤمن اور خیرالقرون کی فضیلت کا مستحق سمجھتے تھے اور اس کے بارے میں سکوت فرماتے تھے۔

ب : احادیث سے غلط استدلال وموضوع روایات

☆ **پہلی حدیث**:- صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

هلاك أمتي على يدي غلمة من قريش ، فقال مروان :غلمة؟ قال أبو هريرة :إن شئت أن أسميهم بني فلان، وبني فلان

میری امت کی بربادی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ مروان نے پوچھا : نوجوان لڑکوں کے ہاتھ پر؟ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں ان کے نام بھی لے لوں کہ وہ بنی فلاں اور بنی فلاں ہوں گے [بخاری رقم ۳۶۰۵ (ترجمہ داؤد راز)]۔

اس حدیث میں قریش کے چند بچوں کا ذکر ضرور ہے مگر ان بچوں میں ایک یزید بھی ہوگا اس بات کا اس حدیث میں کوئی نام ونشان ہی نہیں ہے، معلوم نہیں کس منطق سے اس روایت کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ کیا جارہا ہے۔

لطف تو یہ ہے کہ یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر بھی موجود ہے وہاں اسی حدیث کے روای نے ان بچوں کا مصداق ایسے بچوں کو قرار دیا جو عہد یزید رحمہ اللہ کے بعد کے زمانے کے تھے، ملاحظہ ہو یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام سے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيد بن عمرو بن سعيد، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة، ومعنا مروان، قال أبو هريرة :سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش فقال مروان: لعنة الله عليهم غلمة .فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بني فلان، وبني فلان، لفعلت .فكنت أخرج مع جدي إلى بني مروان حين ملكوا بالشأم، فإذا رآهم غلمانا أحداثا قال لنا عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا :أنت أعلم

عمرو بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق ومصدوق سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ **پھر جب بنی مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انہوں (سعید بن عمرو) نے نو جوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انہی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے** [بخاری:- كتاب الفتن: باب قول النبي ﷺ :هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء، رقم ۷۰۵۸]۔

اور مسند احمد کی روایت میں ہے:

فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصِّبْيَانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعُ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ

وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے، اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا[مسند أحمد ٤ /٨١ ٥ واسناده صحيح]۔

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید رحمہ اللہ کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی اس موقع پر یزید رحمہ اللہ کا کوئی حوالہ نہ دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

اہل علم میں یہ بات معروف ہے کہ راوی اپنی روایت کا مفہوم دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے مگر کیا کیا جائے کہ آج ایسے ذہین وفطین لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو نہ صرف روای حدیث کی فہم بلکہ سلف صالحین کی متفقہ فہم کو بھی چیلنج کر رہے ہیں، یاد رہے کہ سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ نہیں کیا بلکہ دوسروں پر فٹ کیا ہے جیسا کہ بخاری میں دوسرے مقام پر موجود اس روایت میں ذکر ہے۔

اب قارئین کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ یہی روایت بخاری میں دوسرے مقام پر مفہوم کی وضاحت کے ساتھ بھی موجود ہے تو اسے نظر انداز کر کے دوسرے مقام کی مختصر روایت ہی کو کیوں پیش کیا جاتا ہے؟؟؟؟؟

مقصد ظاہر ہے تا کہ اس طرح لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم نے جو مفہوم لیا ہے راوی حدیث کی طرف سے لئے گئے مفہوم کے خلاف ہے بلکہ خیر القرون کے تمام اہل علم کی فہم کے خلاف ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ کے دور میں کسی بھی صاحب علم سے یہ منقول نہیں کہ اس نے اس حدیث کا یہ مفہوم مراد لیا ہو۔

حتی کہ آگے چل کر جب اہل مدینہ کے بعض لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تو انہوں نے بھی یزید کے خلاف اس روایت کو پیش نہیں کیا۔



نیز یہ نومولود مفہوم حقائق کے بھی خلاف ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں۔

☆دوسری حدیث:

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۰۵) نے کہا:

أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيدِ الصَّنْعَانِيُّ، بِمَكَّةَ حَرَسَهَا اللَّهُ تَعَالَى، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَنْبَأَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنْبَأَ مَعْمَرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَرْوِيهِ، قَالَ: وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ عَلَى رَأْسِ السِّتِّينَ تَصِيرُ الْأَمَانَةُ غَنِيمَةً، وَالصَّدَقَةُ غَرَامَةً، وَالشَّهَادَةُ بِالْمَعْرِفَةِ وَالْحُكْمُ بِالْهَوَى هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ بِهَذِهِ الزِّيَادَاتِ "

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: اور اہل عرب کے لئے اس شر کے سبب سے ہلاکت ہوگی جو ۶۰ والے سال سے شروع ہوگا۔ اس وقت امانت کو مال غنیمت اور صدقہ اورزکوۃ کو تاوان سمجھا جائے گا اور خواہشات نفسانی کا حکم مانا جائے گا[المستدرك للحاكم: ٤/ ٥٣٠]۔

یہ روایت درج ذیل تین علتوں کی بنا پر ضعیف ہے:

پہلی علت:

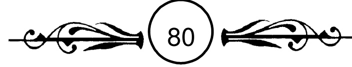
امام عبدالرزاق آخر عمر میں مختلط ہوگئے تھے، اس لئے آخری دور میں انہوں نے جو روایات بیان کی ہیں وہ منکر ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

لا يعبأ بحديث من سمع منه وقد ذهب بصره، كان يلقن أحاديث باطلة

ان کی بصارت جانے کے بعد ان سے جو احادیث سنی گئی ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس وقت انہیں باطل احادیث کی بھی تلقین کی جاتی تھی [سوالات ابن هانی رقم ۲۲۸۵]۔

معلوم کہ امام عبدالرزاق اخیر میں مختلط ہوگئے تھے لہٰذا ان سے جن لوگوں نے اختلاط کے بعد روایت کی ہے وہ حجت نہیں اور زیر نظر روایت کو ان سے ''اسحاق الدبری'' نے روایت کیا اور انہوں امام عبدالرزاق کے اختلاط کے بعد ان سے روایت کی ہے۔



امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۵) نے کہا:

استصغره عَبد الرَّزَّاق أحضره أبوه عنده، وَهو صغير جدا فكان يقول :قرأنا على عَبد الرَّزَّاق أى قرأ غيره، وحضر صغيرا وحدث عنه باحاديث منكرة .

عبدالرزاق کے پاس یہ بہت کم عمری میں پہنچے تھے ان کے والد انہیں ان کے پاس لے گئے تھے اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے، تو یہ کہتے تھے: ہم نے عبدالرزاق کے سامنے پڑھا مطلب ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے پڑھا اور یہ بہت کم عمری میں عبدالرزاق کے پاس حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بیان کی ہیں[الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۱/ ۵٦٠]۔

دوسری علت:

عبدالرزاق سے نقل کرنے والے اسحاق بن ابراہیم الدبری یہ خود بھی متکلم فیہ ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے کہا:

ما كان الرجل صاحب حديث، وإنما أسمعه أبوه واعتنى به، سمع من عبد الرزاق تصانيفه، وهو ابن سبع سنين أو نحوها، لكن روى عن عبد الرزاق أحاديث منكرة

یہ شخص حدیث والا نہیں تھا بلکہ اس کے باپ نے اسے سنایا تھا، اس نے عبدالرزاق سے ان کی تصنیفات کو سنا اس وقت یہ کم وبیش سات سال کا تھا، لیکن اس نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بھی بیان کی ہے[میزان الاعتدال للذهبی: ۱/ ۱۸۱]۔

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

''مصنف کا راوی الدبری ضعیف و مصحف ہے جیسا کہ سمیع صاحب نے اپنے خط میں اشارۃ لکھا ہے، مزید تفصیل کے لئے لسان المیزان (۱/ ۵۳۱، ۵۳۲ ت ۱۰۹۸) اور مقدمہ ابن الصلاح بحث المختلطین کا مطالعہ کریں۔[قیام رمضان : ص ۴۷]۔

تیسری علت:

یہ روایت منکر بھی ہے کیونکہ کی روایت دیگر صحیح طرق سے مروی ہے لیکن اس میں ساٹھ ہجری سے متعلق کوئی بات نہیں ہے بلکہ قرب قیامت کی علامات کا ذکر ہے۔

ج :اثار صحابه وسلف کاغلط مفہوم

امام أبوالعباس الأصم محمد بن یعقوب بن یوسف النیسابوری (المتوفی ۳۴۶ھ) نے کہا:

أخبرنا العباس بن الوليد أخبرني أبي حدثني ابن جابر عن عمير بن هانىء أنه حدثه قال كان أبوهريرة يمشي في سوق المدينة وهو يقول اللهم لا تدركني سنة الستين ويحكم تمسكوا بصدغي معاوية اللهم لا تدركني إمارة الصبيان

عمر بن ہانی کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں چلتے اور کہتے اے اللہ ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے، اور کہتے اے لوگو ! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو نیز یہ بھی کہتے کہ اے اللہ! مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے [الثاني من حديث ابي العباس الاصم :ق ١٧٠٢/١٦٩/١ واسناده صحيح و اخرجه البيهقي في دلائل النبوة للبيهقي:٤٦٦/٦ وابن عساكر في تاريخ دمشق:٢١٧/٥٩ من طريق ابي العباس به ونقله ابن كثير في البداية والنهاية :٢٥٦/٦ و المقريزي في إمتاع الأسماع:٢٣٢/١٢ بهذااللفظ و واخرجه ايضا ابو زرعة الدمشقي في تاريخه ص:٢٣١ بدون لفظ امارة الصبيان]۔

مذکورہ روایت موقوف ہے یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعاء ہے اس روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء سے متعلق دو باتیں ہیں۔

اول : ابوہرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ (٦٠) ہجری کا دور نہ پانے کی دعاء کی ہے۔

دوم: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بچوں کی امارت کا دور نہ پانے کی دعاء کی ہے۔

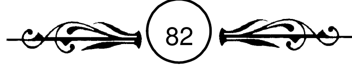
چونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں مذکورہ دونوں باتیں ایک ساتھ مذکور ہیں اس لئے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

حالانکہ یہ سمجھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث کی روشنی میں قطعی طور پر غلط ہے۔

ذرا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث کو غور سے پڑھیں:

امام ابن أبي شيبة رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلاَءِ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ



رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم:تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِين وَمِنْ إِمْرَةِ الصِّبْيَانِ

ترجمہ: صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو[مصنف ابن أبی شيبة:٤٩/١٥ واسناده صحيح ومن طريق وكيع اخرجه احمد فی مسنده :٤٨٦/١٥ و اخرجه ايضا البزار: ٢٤٩/١٦ وابن عدی فی الكامل:٢١٠١/٦ و ابو أحمد الحاكم فی الأسامی والكنى:١٦٩/٥ وابويعلى كمافی البداية والنهاية:٦٤٧/١١ كلهم من طريق كامل به ، و اخرجه ايضا احمدبن منيع فی مسنده قال البوصيری فی إتحاف الخيرة المهرة :٤١/٨ رواه أحمد بن منيع، ورواته ثقات ، والحديث صححه الالبانی فی الصحيحه رقم ٣١٩١]۔

یہ کسی صحابی کا قول نہیں بلکہ مرفوع حدیث ہے یعنی اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

اس فرمان رسول میں بھی دو باتیں ہیں:

اول:

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سن ستر (۷۰) کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

ستر (۷۰) سے مراد ہجری تاریخ نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کے دور میں ہجری تاریخ کا رواج ہی نہ تھا، اس لئے اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے ستر سال ہیں اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن اسی (۸۰) ہجری کا دور ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل اپنے مضمون سن ستر (۷۰) سے پناہ مانگنے کا حکم اور امارت یزید بن معاویہ رحمہ اللہ میں پیش کی ہے۔

دوم:

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے بچوں کی امارت کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

یعنی اس حدیث رسول میں بھی اسی طرح دو باتیں ایک ساتھ مذکور ہیں جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں ہیں، لیکن حدیث رسول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری نہیں ، بلکہ سن ستر (۷۰) کا ذکر ہے، جس سے سن اسی (۸۰) ہجری مراد ہے کما مضیٰ۔

اب اگراس حدیث سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے جس طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرمان رسول کے مطابق کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری کا ہے۔

پھرایسی صورت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول فرمان رسول کے خلاف ہونے کی صورت میں غیرمسموع ہوگا، اور اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہی مقدم ہوگا یعنی کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری ہوگا نہ کہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور ایسی صورت میں یزید رحمہ اللہ کی امارت کو کم عمر بچوں کی امارت قرار دینا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہوگی، کیونکہ یزید رحمہ اللہ اس دور سے بہت پہلے ہی اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں کی گئی ہے بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے، ایک بات کا تعلق محدود دور میں رونما ہونے والے مخصوص فتنہ سے ہے اور دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے لیکن یہ امارت کس زمانہ میں ہوگی اس کا بیان مذکورہ دونوں روایات میں سے کسی میں نہیں، اور مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو ''وَ'' ہے یہ واؤ مغایرت کے لئے ہے جیسا کہ تعوذ کی دعاؤں کا معاملہ ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن العقبی ''سبعین'' والی روایت سے متعلق لکھتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:''تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمَنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَان''، فإن إمارة الصبيان غير رأس السبعين، وليس المعنى أن إمارة الصبيان تكون على رأس السبعين، وذلک لأن الواو للمغايرة كقول القائل:أعوذ بالله من الاشتراكية والرأسمالية

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔ یہاں بچوں کی امارت کا دور سن ستر (۷۰) میں نہیں بتایا گیا ہے اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کی امارت ستر (۷۰) کے اوائل ہی میں ہوگی کیونکہ یہاں واؤ مغایرت کے لئے ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اشتراکی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے [مسائل سلطانية :ص۸]۔



اس تطبیق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اوراللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔

اگر کوئی اس تطبیق سے راضی نہیں ہے تو اس پرلازم ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پرمقدم کرے اور یہ تسلیم کرے کہ وفات رسول کے ستر سال بعد تک یعنی اسی (۸۰) ہجری کے اوائل تک بچوں کی امارت کا وجود ناممکن ہے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وجود اپنی وفات کے ستر سال بعد بتایا ہے۔

بچوں کی امارت کا دور کب ؟؟؟

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ روایات میں صرف یہ ملتا ہے کہ بچوں کی امارت کا دور آئے گا مگر یہ دور کب آئے گا اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں۔

بچوں کی امارت سے متعلق اوربھی متعدد روایات ہیں لیکن کسی ایک میں بھی سرے سے کسی خاص زمانہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

البتہ ایک موقوف روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل وفات کی دعاء کررہے ہیں اوراسی روایت میں بچوں کی امارت کو بھی نہ پانے کی دعاء کررہے ہیں لیکن دوسری طرف ایک مرفوع حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے ستر سال بعد یعنی سن اسی (۸۰) ہجری سے پناہ مانگنے کا حکم دیے رہے ہیں اورساتھ ہی میں بچوں کی امارت سے بھی پناہ مانگنے کا حکم دے رہے ہیں، یہ مرفوع روایت سامنے آنے کی بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت میں یارسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث میں بچوں کی امارت والے دور کی تحدید نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تسامح

حافظ ابن حجر نے بچوں کی امارت کے دور کی شروعات یزید بن معاویہ سے مانی ہے چنانچہ کہا:

أَنَّ الْمَذْكُورِينَ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَأَنَّ أَوَّلَهُمْ يَزِيدُ

یعنی مذکورہ بچے بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کی امارت کی طرف حدیث میں اشارہ ہے

اوران میں سے پہلا شخص یزید ہے[فتح الباری:۱۰/۱۳]۔

حافظ موصوف اپنی اس بات کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَأْسُ السِّتِّينَ وَإِمَارَةُ الصِّبْيَان

جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اے اللہ ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے، اے اللہ ! مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے[فتح الباری:۱۰/۱۳]۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کی امارت کو بچوں کی امارت کہنے کے لئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کو دلیل بنایا ہے لیکن ہم عرض کر چکے ہیں ایک صحیح مرفوع روایت میں بچوں کی امارت کے ساتھ ساتھ سن (۸۰) ہجری کا تذکرہ ہوا ہے، اب اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طریقہ استدلال کو بروئے کار لایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کی امارت کی ابتداء سن اسی ۸۰ ھجری سے ہوگی، اور ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ کا قول، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف ہونے کے سبب غیر مسموع ہوگا۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث، دونوں میں محدود سن والے جملے اور بچوں کی امارت والے جملہ کو الگ الگ سمجھا جائے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یزید کی امارت کو بھی بچوں کی امارت میں شمار کرنا واضح حقائق کے خلاف ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں، حافظ موصوف کو بھی یہ اشکال محسوس ہوا اس لئے انہوں نے یہ تاویل پیش کی:

وَقَدْ يُطْلَقُ الصَّبِيُّ وَالْغُلَيِّمُ بِالتَّصْغِيرِ عَلَى الضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَالتَّدْبِيرِ وَالدِّينِ وَلَوْ كَانَ مُحْتَلِمًا وَهُوَ الْمُرَادُ هُنَا فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ مَنِ اسْتُخْلِفَ وَهُوَ دُونَ الْبُلُوغِ وَكَذَلِكَ مَنْ أَمَّرُوهُ عَلَى الْأَعْمَالِ

صبی اور غلیم کا اطلاق کم عقل وکم فہم پر بھی ہوتا ہے گرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو اور اس حدیث میں

بچوں سے یہی مراد ہے کیونکہ بنوامیہ میں کوئی بھی خلیفہ نابالغ نہیں گذرا ہے اسی طرح ان کے عمال بھی سب کے سب بالغ تھے[فتح الباری:۹/۱۳]۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل بے سود ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ کم عقل بھی نہ تھے، ان کے ظالم ہونے کا پروپیگنڈا تو کچھ لوگوں نے کیا ہے لیکن ان پر کم عقلی کا الزام تو کسی ایک نے بھی نہیں لگایا، معلوم نہیں حافظ موصوف نے انہیں کم عقل کیسے باور کرلیا۔

نیز اصول یہی ہے کہ اصلا نصوص شریعت کو حقیقت پر محمول کیا جائے لہٰذا بچوں کی امارت والی حدیث حقیقت ہی پر محمول ہوگی کیونکہ اس کی تاویل کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے مزید یہ کہ سلف میں سے کسی نے بھی اس حدیث کی تاویل نہیں کی ہے بلکہ خود حافظ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲) رحمہ اللہ کے بقول الفاظ حدیث کے معانی پر کتاب لکھنے والے امام ابن الأ ثیر (المتوفی ٦٠٦) رحمہ اللہ نے اس طرح کے الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا ہے، حافظ موصوف فرماتے ہیں:

وَقَالَ بن الْأَثِيرِ الْمُرَادُ بِالْأُغَيْلِمَةِ هُنَا الصِّبْيَانِ وَلِذَلِكَ صَغَّرَهُمْ امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ یہاں أغيلمة سے مراد چھوٹے بچے ہیں اسی لئے اس کی تصغیر لائی گئی ہے[فتح الباری:۱۰/۱۳ وانظر:النهاية في غريب الحديث لابن الاثير: ۳۸۲/۳]۔

اسی طرح سلف میں سے کسی نے بھی یزید رحمہ اللہ کو اس حدیث کا مصداق نہیں بتلایا ہے بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے اس کا مصداق دوسرے ایسے بچوں کو بتلایا ہے جن کا زمانہ عہد یزید سے بہت بعد کا زمانہ ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيد بن عمرو بن سعيد، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة، ومعنا مروان، قال أبو هريرة: سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش فقال مروان: لعنة الله عليهم غلمة. فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بني فلان، وبني فلان، لفعلت. فكنت أخرج مع جدي إلى بني مروان حين ملكوا بالشأم، فإذا رآهم غلمانا أحداثا قال لنا عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا: أنت أعلم



عمرو بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق و مصدوق سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنی مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انہوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انہی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے[صحیح البخاری (٤٧/٩):-کتاب الفتن:باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم :هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء،،رقم ٧٠٨٥]۔

اور مسند احمد کی روایت میں ہے:

فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصِّبْيَانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعُ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ

وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے، اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا[مسند أحمد محقق:٥٨/١٤ رقم ٨٣٠٤ واسناده صحيح]۔

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید رحمہ اللہ کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی اس موقع پر یزید رحمہ اللہ کا کوئی حوالہ نہ دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

الغرض یہ کہ بچوں کی امارت والی حدیث کو حقیقت ہی پر محمول کیا جائے اس کی تاویل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، نیز سلف میں سے بھی کسی نے نہ تو اس کی تاویل کی ہے اور نہ ہی اسے یزید پر فٹ کیا ہے اس لئے اسے یزید رحمہ اللہ پر فٹ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ تاویل کے ساتھ ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ:

فَإِنَّ يَزِيدَ كَانَ غَالِبًا يَنْتَزِعُ الشُّيُوخَ مِنْ إِمَارَةِ الْبُلْدَانِ الْكِبَارِ وَيُوَلِّيهَا الْأَصَاغِرَ مِنْ أَقَارِبِهِ

کیونکہ یزید عام طور پر شہروں کے بڑے امراء کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے اقرباء میں سے چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بٹھا دیتا تھا[فتح الباری:۱۳/۱۰]۔

عرض ہے کہ یہ بات محض افواہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ معلوم نہیں حافظ موصوف نے یہ بات کہاں سے اخذ کی ہے، علاوہ ازیں یزید رحمہ اللہ کو چھوٹا امیر ثابت کرنے کے لئے یہ بہت دور کی کوڑی ہے اگر چھوٹے امراء یزید کے ماتحت تھے خود یزید نہیں تھا تو پھر حدیث مذکور کو صرف ان چھوٹے امراء ہی پر فٹ کرنا چاہے، خواہ مخواہ یزید رحمہ اللہ کو اس بیچ میں کیوں لایا جا رہا ہے، گرچہ ایسا یزید رحمہ اللہ کے حکم سے ہوا ہو لیکن یہ حکم صادر کرنے سے یزید رحمہ اللہ کی عمر تو چھوٹی نہیں ہو جائے گی، نیز اگر دور کی کوڑی سے یزید چھوٹا امیر ثابت ہوا کیونکہ اس نے چھوٹے امرا متعین کئے تو کیا اس فلسفہ کی رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بھی چھوٹے امراء میں ہوگا؟؟ کیونکہ انہوں نے بھی یزید رحمہ اللہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا؟؟؟ معلوم نہیں حافظ موصوف ان تکلفات سے کیوں کام لے رہے ہیں، غالبا حافظ موصوف رحمہ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سن ساٹھ والی روایت کی وجہ سے ان تکلفات پر مجبور ہوئے ہیں لیکن اس روایت کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے۔

سن ساٹھ کے فتنے کا ذمہ دار کون؟

رہی بات یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ سے قبل موت کی دعاء کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس دور میں کوئی فتنہ ہوگا۔

عرض ہے کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ابو ہریرہ ﷜ کی دعاء سے اس دور میں کسی فتنہ کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر یہ فتنہ یزید بن معاویہ ﷜ کی طرف سے ہوگا، اس جانب کوئی ادنی اشارہ بھی ابو ہریرہ ﷜ کی اس دعاء میں نہیں ہے، لہٰذا اس سے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ پر کوئی حرف نہیں آتا۔

اگر کوئی کہے کہ یہ فتنہ دور یزید میں تو ہوا، تو عرض ہے کہ اس سے بڑے فتنے علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے، جنگ جمل اور جنگ صفین میں صحابہ کی بہت بڑی تعداد شہید ہوئی، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جس قدر صحابہ کرام کا خون بہا اتنا خون یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے پورے دور میں نہیں بہا اور ان

فتنوں کی طرف اشارہ صرف صحیح نہیں بلکہ صحیح ومرفوع روایات میں ہے، تو کیا ان تمام صحابہ کے خون کی ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ پر ہوگی۔

ہرگز نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری تو اس سازشی ٹولہ کے سر جاتی ہے جس نے صحابہ کے بیچ خونریز جنگ کرائی۔

یہی معاملہ دور یزید کے فتنہ سے بھی ہے یعنی اس دور کے فتنہ کی ذمہ داری یزید رحمہ اللہ کے سر نہیں جاتی بلکہ اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنھوں نے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے خلاف سازشیں کیں تا کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر انہیں تباہ و برباد کیا جائے پہلے اس سازشی ٹولے نے امت مسلمہ کے خون سے ہولی کھیلنے کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کرنا چاہا لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود حسین رضی اللہ عنہ ہی کو شہید کر ڈالا، اس کے بعد اسی سازشی ٹولے نے اہل مکہ و مدینہ کے سامنے یزید رحمہ اللہ پر شراب نوشی، ترک صلاۃ اور نہ جانے کیسے کیسے جھوٹے الزامات لگائے تا کہ انہیں یزید کے خلاف ورغلائے، ظاہر ہے کہ جن کی سازشوں سے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک محفوظ نہ رہ سکے اور جمل وصفین کے معرکے وقوع پذیر ہوئے، کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہل مکہ و مدینہ کے بعض افراد ان کی سازشوں کے شکار ہوکر اپنوں ہی کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں۔

الغرض یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو سن ساٹھ میں فتنہ کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں جنھوں نے یہ فتنے برپا کئے ہم بغیر کسی ثبوت کے اس کی ذمہ داری یزید رحمہ اللہ پر قطعا نہیں ڈال سکتے بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ یزید رحمہ اللہ کی طرف نہیں ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ کی پیشگی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی ہوگئی تھی اور اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ باحیات تھے لیکن کسی ایک بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید رحمہ اللہ کو ولی عہد بنانے پر کوئی اعترض کیا ہو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس حکمت عملی کے خلاف کوئی بات اشارہ و کنایہ میں بھی کہی ہو بلکہ اس کے برعکس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ جب سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعاء کرتے تو ساتھ ہی میں امیر معایہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنے کی وصیت بھی کرتے تھے۔

چنانچہ اوپر جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل ہوئی ہے اسے پھر سے پڑھیں اس میں یہ بھی ملتا ہے کہ:

وهو يقول اللهم لا تدركني سنة الستين ويحكم تمسكوا بصدغي معاوية

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے، **اور کہتے اے لوگو! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو** [الثاني من حديث ابي العباس الاصم : ق ۱ / ۱۶۹ / ۱۷۰۲ واسناده صحيح وتقدم تخريجه]۔

ان الفاظ پر غور کریں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعاء کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں سے یہ بھی فرمارہے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو۔

اور یزید رحمہ اللہ کی ولیعہدی اور بعد میں ان کا خلیفہ بننا بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی ہے، جس سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واقف تھے گویا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں اس فتنہ کے وقت یزید رحمہ اللہ کی بیعت کو لازم پکڑنے ہی میں عافیت ہے، اور بعد میں جب یہ دور آیا تو دیگر صحابہ نے بھی اس وقت کے لوگوں کو یہی نصیحت کی۔

رہا بعض اہل علم کا یزید کے سلسلے میں سخت موقف تو عرض ہے کہ ان میں کسے کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے بغیر دلیل کے کسی کی بات نہیں لی جاسکتی، اسی طرح یزید کے بارے میں شراب نوشی کی تمام باتیں سفید جھوٹ ہیں، ان میں سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔

نیز اس موقع پر یہ بھی عرض کردیا جائے کہ سلف واہل علم نے ابوحنیفہ پر بھی بہت شدید جرح کی ہیں اور انہیں بہت مطعون کیا ہے تو کیا یہ ساری باتیں قابل قبول ہیں، اگر نہیں تو یزید سے متعلق بعض سلف کی بے دلیل باتیں کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہیں۔

فصل سوم: دوریزید کے بعض حوادث

الف: شهادت حسين رضی الله عنه:

☆۱/ قتل حسين رضی الله عنه

یزید بن معاویہ پر یہ جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرایا یعنی اسی کے حکم

سے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا۔

حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے کسی بھی مستند روایت سے یہ بات ثابت نہیں بلکہ صحابہ کرام اور اہل بیت نے اہل کوفہ کو قاتل حسین قرار دیا کما مضیٰ، دیکھئے یہی کتاب: ص۴۰ تا ص۴۴۔

حتی کہ خود حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت سے قبل اپنے قاتلین کو یہ کہتے ہوئے بے نقاب کر دیا کہ:

فانهم دعونا لينصرونا فعدوا علينا فقتلونا

انہیں لوگوں نے ہمیں بلایا تا کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف شرکشی کی اور یہی ہمیں قتل کر رہے ہیں[تاريخ الطبرى:٤٥١/٥]۔

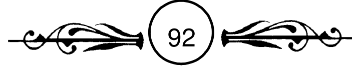
اگر کوئی مقتول موت سے قبل خود گواہی دے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے تو یہ گواہی سب سے ٹھوس گواہی مانی جاتی ہے کیونکہ عموما مرتے وقت کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔قرآن وحدیث کی روشنی میں بھی اس گواہی کو سب سے ٹھوس گواہی مانا گیا ہے، چنانچہ بنواسرائیل میں ایک شخص قتل کر دیا گیا تو مقتول کی زبانی قاتل کی شناخت کے لئے مقتول کو اللہ تعالی نے معجزانہ طور پر زندہ کیا دیکھئے سورہ بقرہ آیت ۷۶ ومابعد۔

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ ایک عورت کو کسی یہودی نے قتل کر دیا تھا اور مقتولہ کو وفات سے قبل اللہ کے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو اللہ کے نبی ﷺ نے کئی نام ذکر کر کے پوچھا کیا اس نے تمہیں قتل کیا ہے؟ چنانچہ ایک نام پر عورت نے سر کے اشارہ سے ہاں کہا تو اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس قاتل کو بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اتاردو[بخاری: ٥٢٩٥]۔

قران وحدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اگر موت سے قبل اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے تو قاتل کی شناخت میں یہ سب سے بڑا ثبوت ہے بلکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مرنے سے قبل مقتول کا بیان سب سے ٹھوس ثبوت مانا جاتا ہے۔اور حسین رضی اللہ عنہ نے بھی وفات سے قبل اہل کوفہ کو اپنا قاتل کہا ہے۔

☆۲ سر حسین رضی اللہ عنہ کی بے حرمتی

کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس لایا گیا لیکن یہ جھوٹ ہے [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں] اور صحیح بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ



عنہ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا تھا کما مضٰی۔

☆۳/ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے عدم قصاص

اگر یزید نے سزا نہیں دی تو پہلے یہ تو ثابت کیا جائے کہ پورے عالم اسلام میں کسی ایک نے بھی یزید سے یہ مطالبہ کیا کہ قاتلین حسین کو سزا دی جائے؟

اور تو اور خود اہل بیت جب یزید کے پاس پہنچے تو کیا انہوں نے مطالبہ کیا کہ قاتل حسین رضی اللہ عنہ کو سزا دی جائے؟؟ اگر یہ مطالبہ نہیں ہوا تو پھر دو باتوں میں کوئی ایک بات ہے:

اول: قاتلین حسین کو سزا دی جا چکی تھی، جیسا کہ بعض روایات میں ملتا ہے۔

دوم: حالات سازگار نہیں تھے کہ سزا دی جائے۔

ان دونوں میں سے جو بات بھی ہو یزید پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا، ورنہ اس منطق سے علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ جرم عائد ہوسکتا ہے کیونکہ خلیفہ سوم اور داماد رسول عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور اس کے بعد خلافت علی رضی اللہ عنہ ہی کے پاس تھی لیکن علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی سزا نہ دی بلکہ سزا دینا تو دور کی بات اس کے برعکس قاتلیں عثمان کو عہدے عطاء کئے، تو کیا اس طرح علی رضی اللہ عنہ بھی نعوذ باللہ خطا کار ٹھہرے؟؟؟

یاد رہے کہ قاتلین عثمان سے متعلق تو علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ بھی ہوا کہ انہیں سزا دلوائیں۔

صاف بات یہ ہے کہ جس طرح علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی مجبوری تھی اسی طرح یزید بن معاویہ کے سامنے بھی کوئی مجبوری ہوسکتی ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یزید کو اہل مدینہ واہل مکہ پر حملہ کی طاقت تھی پھر قاتلیں حسین رضی اللہ سے قصاص کی طاقت کیونکر نہ تھی۔

عرض ہے کہ یہی بات تو علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو اہل جمل واہل صفین پر حملہ کی طاقت تو تھی مگر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کارروائی کی طاقت نہ تھی۔

ب :واقعہ حرہ

مدینہ کی حرمت کی پامالی سے اگر یہ مراد ہے کہ اہل مدینہ کی بغاوت پرفوجی قوت استعمال کی گی تو یہ درست ہے لیکن اس میں یزید کا کیا قصور ہے؟ یزید نے تو اہل مدینہ کے ساتھ وہی کیا جو اس سے قبل علی رضی اللہ عنہ نے اہل جمل واہل صفین کے ساتھ کیا، یادر ہے کہ عام طور سے اہل جمل وصفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی کو برحق بتلایا جاتا ہے اوران کے مخالفین کو اجتہادی خطاء کا مرتکب گردانا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے، اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی پھر یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے تو مجبوراً یزید رحمہ اللہ کوان کے خلاف فوجی قوت استعمال کرنی پڑی، اب اس میں یزید کا کیا قصور ہے۔

اگر اہل جمل وصفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ فوجی قوت استعمال کرسکتے ہیں تو اہل مدینہ کے خلاف یزید فوجی قوت کیوں نہیں استعمال کرسکتے۔

ہم تو کہتے ہیں کہ یزید رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ ہی کے نقش قدم کی پیروی کی اورعلی رضی اللہ عنہ ہی کی سنت کو دھرایا، اب اگر یہ اقدام غلط تھا تو یہی غلطی یزید سے قبل علی رضی اللہ عنہ سے بھی سرزد ہوئی ہے اوراگر علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی درست تھی تو یزید کا طرز عمل بھی بالکل درست تھا۔

یادر ہے کہ اہل جمل واہل صفین جن پر علی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تھا وہ ان اہل مدینہ سے کئی گنا افضل وبہتر تھے جن پر یزید رحمہ اللہ نے حملہ کیا۔

بلکہ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اہل مدینہ میں سے جس گروہ نے یزید کی مخالفت کی تھی اس گروہ میں ہمارے ناقص علم کی حد تک کسی ایک بھی صحابی کی شمولیت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

اور یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ کبار صحابہ میں سے کسی ایک بھی صحابہ نے اہل مدینہ کا ساتھ نہیں دیا تھا:



عبدالملک بن حسین العصامی المکی (المتوفی ۱۱۱۱) فرماتے ہیں:

ولم یوافق أھلَ المدینة علی ھذا الخلع أَحَدٌ من أکابر أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یزید کی بیعت توڑنے میں اہل مدینہ کی موافقت کبار صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کی تھی[سمط النجوم العوالی فی أنباء الأوائل والتوالی:۳/۲۰۲]۔

موافقت تو دور کی بات صحابہ کرام سے اہل مدینہ کے اس طرز عمل کی مذمت ثابت ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت آگے رہی۔

الغرض یہ ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہونے والے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل غلط ہوسکتا ہے تو یزید کے خلاف کھڑے ہونے والے اہل مدینہ کا طرز عمل کیونکر غلط نہیں ہوسکتا۔

اہل مدینہ کا طرز عمل غلط تھا اس بات کی دلیل وہ تمام تر روایات ہیں جن میں حکام کے خلاف خروج سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، ایک عظیم صحابی اور فقیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی احادیث کو اہل مدینہ کے طرز عمل پر منطبق کیا اور ان کے اقدام کو باغیانہ تصور کیا اور انہیں یزید کی بیعت پر باقی رہنے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کا محتاج نہیں ہے خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت کے ساتھ انہیں نیک اور دیندار قرار دیا ہے چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَجُلٌ صَالِحٌ

عبداللہ نیک آدمی ہیں[بخاری رقم ۳۷۴۰ مسلم رقم ۲۴۷۸]۔

یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ یزید رحمہ اللہ کی مخالفت نہ کی بلکہ یزید رحمہ اللہ کے مخالفین سے اظہار برآت کیا اور ان تمام لوگوں سے رشتہ ناطہ ترک کرنے کا اعلان کیا

جولوگ یزید رحمہ اللہ کی مخالفت سے باز نہ آئیں، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ :لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ :إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ القِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لاَ أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ القِتَالُ، وَإِنِّي لاَ أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلاَ بَايَعَ فِي هَذَا الأَمْرِ، إِلَّا كَانَتِ الفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ

نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ : ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اوراس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اوراس کے رسول کے موافق ہوجائے پھر اس سے جنگ کی جائے، تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا، اوراس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا[صحیح البخاری رقم ۷۱۱۱]۔

بلکہ ربیبہ رسول زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا جو اپنے دور میں مدینہ کی عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ وفقیہہ تھیں ان کے ایک لڑکے نے یزید کے خلاف اہل مدینہ کا ساتھ دیا اور اہل شام کے ہاتھوں قتل ہوا تو ان کی یہ فقیہ ماں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی تھیں چنانچہ:

امام خلیفہ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰) رحمہ اللہ نے کہا:

حَدَّثَنَا وهب قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ نَا الْحسن قَالَ أُصِيب ابْنا زَيْنَب يَوْم الْحرَّة فحملا إِلَيْهَا فَقَالَت إِنَّا لله وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون مَا أعظم الْمُصِيبَة عَلِيّ فيهمَا ولهي فِي هَذَا أعظم عَلِيّ مِنْهَا فِي هَذَا أما هَذَا فبسط يَده فقاتل حَتَّى قتل فَأَنا أَخَاف عَلَيْهِ وَأما

هَذَا فکف یَده حَتّٰی قتل فَأَنا أَرْجُو لَهُ

حسن بصری تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرہ کے دن زینب ربیبہ رسول ﷺ کے دو بیٹے قتل کر دئے گئے ان دونوں کو ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا: اناللہ وانا الیہ راجعون ! ان دونوں بیٹوں کی موت سے مجھ پر کتنی سخت مصیبت نازل ہوئی ہے اور میرے اس بیٹے کی مصیبت تو میرے اس دوسرے بیٹے کی مصیبت سی بھی زیادہ ہے کیونکہ اس نے اس لڑائی میں حصہ لیا اور قتل کیا گیا میں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی ہوں لیکن میرے اس دوسرے بیٹے نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا پھر بھی قتل ہو گیا مجھے اس کے بارے میں اچھی امید ہے۔[تاریخ خلیفة بن خیاط ص:۲۳۹ واسناده صحیح]۔

غور کریں مدینہ کی یہ عظیم فقیہ اپنے اس بیٹے کی موت کو بڑی مصیبت بتا رہی ہیں اور اس کے سوء خاتمہ سے ڈر رہی ہیں جس نے یزید کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔

الغرض یہ کہ مدینہ میں جو کچھ ہوا اس کے اصل ذمہ دار خود اہل مدینہ ہی تھے لیکن چونکہ اہل مدینہ کی یہ اجتہادی غلطی تھی اس لئے اہل مدینہ کو تکلیف دینے سے متعلق وعید والی جو احادیث ہیں وہ ان پر فٹ نہیں ہوں گی، کیونکہ اجتہادی خطاء معاف ہے۔

رہی بات یہ کہ اہل شام نے جب مدینہ پر حملہ کیا تو تین دن تک خوب لوٹ مار کی، اور بے شرمی اور بے حیائی کی انتہاء کر دی تو یہ ساری باتیں مکذوب ہیں ان میں سے کچھ ثابت ہی نہیں [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

ج :مکہ پر حملہ۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اختلاف یزید سے تھا لیکن فی نفسہ یزید کی شخصیت سے نہیں تھا بلکہ اس آئین سے تھا کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ بنے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسی دستور کے مخالفت کی جس کے نتیجہ میں اہل شام نے عبیداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف کاروائی تھی اور اسی دوران کعبہ جل گیا تھا بعض جھوٹی روایات میں آگ لگانے کی

ذمہ داری اہل شام پر لگائی گئی جبکہ حسن لغیرہ درجہ کی روایات میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اوران کے ساتھی کعبہ کے اردگرد آگ جلا رہے تھے اور ہوا کے جھونکوں سے آگ کعبہ تک پہنچ گئی اوراس کا کچھ حصہ جل گیا [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید ،صرف صحیح روایات کی روشنی میں، نیز دیکھئے: مجلّہ السنہ نمبر۱۵ص۱۳]۔

یادرہے کہ اہل شام کو یہ کاروائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے معارضہ کی وجہ سے کرنی پڑی،اوردیگر اجلہ صحابہ نے بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس معارضہ کی شدید مخالف کی چنانچہ:

صحابی رسول ابوبرزۃ الأسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا

وَإِنْ ذَاکَ الَّذِی بِمَكَّةَ وَاللَّهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا

اوروہ جومکہ میں ہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما واللہ ! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑرہے ہیں [صحيح البخاري:كتاب الفتن :باب إذا قال عند قوم شيئا، ثم خرج فقال بخلافه ، رقم ۷۱۱۲]۔

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی صحیح سند کے ساتھ ہے اوراس کے اخیر میں ہے:

وَإِنَّ ذَاکَ الَّذِی بِمَكَّةَ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ وَاللَّهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا

اوروہ جومکہ میں ہیں یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑرہے ہیں [مصنف ابن أبي شيبة:۷/۴۴۷ واسناده صحيح]۔

اسی طرح صحابی رسول عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

يَا ابْنَ الزُّبَيْرِ ، إِيَّاکَ وَالإِلْحَادَ فِي حَرَمِ اللهِ

اے ابن زبیر رضی اللہ عنہ! آپ حرم میں فساد والحاد سے بچیں [مسند أحمد:۲/۲۱۹ واسناده صحيح على شرط الشيخين]۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس ،عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اوراور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، نے بھی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اقدام کی مذمت کی،اوربعض روایات کے مطابق تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اوران کے رفقاء کو باغی سمجھتے تھے اورافسوس کرتے تھے کہ میں نے ان سے قتال کیوں نہ کیا کیونکہ باغیوں کے خلاف لڑنے کا حکم ہے، یہ بات امام ذہبی رحمہ اللہ نے

بھی نقل کیا ہے، یاد رہے کہ جس کام کی تمناء عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کر رہے تھے اہل شام نے وہی کام کیا تھا، نیز عبداللہ بن عمرؓ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کہا:

أَمَا وَاللهِ لَأُمَّةٌ أَنْتَ أَشَرُّهَا لَأُمَّةٌ خَيرٌ

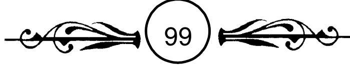
اللہ کی قسم وہ امت کتنی بہتر ہے جس میں خطا کار لوگ بھی آپ جیسے ہوں[صحیح مسلم :کتاب فضائل الصحابة رضی الله تعالی عنهم :باب ذكر كذاب ثقيف ومبيرها ، رقم٢٥٤٥]۔

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے اقدام میں خطا کار تھے لیکن اس کے باوجود ان کے فضائل ومحاسن بہت تھے، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا اقدام اگر چہ غیر محمود تھا لیکن ان کی نیت نیک تھی وہ باپ کے بعد بیٹے کے خلیفہ بننے کے مخالف تھے اور اس آئین کو بدلنا چاہتے تھے، لیکن انہیں کبار صحابہ اور جمہور امت کی حمایت حاصل نہ تھی اس لئے یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی جس پر ایک اجر کے مستحق ہیں۔

یاد رہے کہ کچھ لوگ جذباتی انداز میں سوچتے ہیں اور ایک طرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو رکھ کر اور دوسری طرف یزید رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کو رکھ کر یہ سوچتے ہیں کہ ان میں حق پر کون تھا؟ پھر جذبات سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اس لئے یہی حق پر تھے۔

اول تو: یہ حق وباطل کا معرکہ ہرگز نہیں تھا بلکہ ایک سیاسی اختلاف تھا، دوم: موازنہ صرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور یزید اور ان کے اصحاب ہی کے مابین ہی نہیں ہے بلکہ موازنہ ابن زبیر اور دیگر صحابہ کرام کے مابین بھی ہے۔

یعنی اگر ابن زبیر رضی اللہ عنہ حکومت یزید کی مخالفت میں سرگرم ہیں تو دیگر صحابہ جن کا تذکرہ اوپر ہوا یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ، جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، یہ تمام کے تمام صحابہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی مذمت کر رہے ہیں، اب سنجیدگی سے غور کیا جائے اور بتلایا جائے



کہ حق پر کون ہے؟ آیا ابن زبیر رضی اللہ عنہ یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے خلاف تھے؟

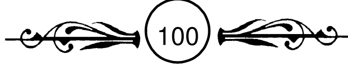
الغرض یہ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کا یزید کی مخالفت کرنا درست نہیں تھا اسی لئے کبار صحابہ نے اس کی مذمت کی، اور ان لوگوں کی یزید کی مخالفت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یزید برے تھے، ورنہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہیں گے ان کی مخالفت تو کبار صحابہ کی ایک جماعت نے کی تھی، اور اس مخالفت میں ان کے خلاف دو جنگیں، جنگ جمل اور جنگ صیفین لڑیں۔

اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یزید کی مخالفت میں تو صرف چند لوگوں کے نام پیش کئے جاتے ہیں لیکن علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت تو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے کی جن میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور مبشر بالجنہ صحابہ کرام بھی تھے۔

اگر صحابہ کرام کی ایک جماعت بشمول ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرے اور ان کے خلاف لڑائی کرے، پھر بھی اس بنا پر ہم علی رضی اللہ عنہ کو ہدف تنقید نہیں بناتے تو گنتی کے چند لوگوں نے اگر یزید کی مخالفت کر دی تو اس بنا پر یزید کو مورد طعن بنانا کیونکر درست ہوگا۔



آخر میں ہم لشکر قسطنطنیہ سے متعلق ایک اہم مضمون بھی پیش کر رہے ہیں، گزشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ یزید ہی نے کیا تھا، لیکن بعض حضرات اہل تاریخ کے اجماعی موقف کے برخلاف آج کل یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر یزید سے پہلے بھی کئی حملے ہوئے، اگلی سطور میں اختصار کے ساتھ ہم یہی مضمون پیش کر رہے ہیں مکمل مضمون کے لئے ملاحظہ اہل السنہ نمبر ۱۵ ص ۲۶۔



لشکر قسطنطنیہ اور امارت یزید کا مسئلہ

ڈاکٹر عبداللہ دامانوی کے مضمون کا ایک ناقدانہ جائزہ

مولانا عبدالولی حقانی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، شمارہ جنوری ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی کا مضمون ''کیا یزید بن معاویہ لشکر مغفور لہم کے سالار ہیں؟'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے حوالے سے چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

۱: دامانوی صاحب نے صحیح بخاری کی حدیث **أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ**. [صحيح البخاري :۔ ۲۹۲٤]۔

''میری امت میں سے سب سے بڑا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کریگا، ان کی مغفرت ہو گی۔'' کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

''منکرین حدیث میں سے محمود احمد عباسی اور اس کے ہم نوا ناصبی حضرات نے اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ کو قرار دیا ہے۔'' (محدث:۔ص:۴۹)۔

دامانوی صاحب کی یہ بات درست نہیں ہے بلکہ محمود احمد عباسی سے بہت پہلے مہلب ابن احمد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس کا اعتراف خود دامانوی صاحب نے مطبوعہ مضمون کے صفحہ نمبر ۵۴، ۵۵ پر بھی کیا ہے۔

۲: آگے چل کر دامانوی صاحب لکھتے ہیں: ''قسطنطنیہ پر پہلا حملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔'' اور دلیل کے طور پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''اور ۳۲ ہجری میں سیدنا معاویہ نے بلاد روم پر چڑھائی کی، یہاں تک کہ وہ خلیج قسطنطنیہ تک پہو نچ گئے۔'' (البدایہ والنہایہ:۔۷/۱۵۹، محدث:۔ص:۵۹)۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ بات بلا سند ہے اور دامانوی صاحب کے بقول

''بے سند روایت کا وجود اور عدم برابر ہے۔'' دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پر دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام۔ یعنی دعویٰ قسطنطنیہ پر حملہ اور دلیل میں بلادروم پر چڑھائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ذکر عام سے خاص کا ثبوت کیسے ہوسکتا ہے؟

۳: پھر حافظ علی زئی کے حوالے سے جناب دامانوی لکھتے ہیں کہ ''یہ حملہ ۳۲ھ بمطابق ۶۵۲ء ۶۵۳ء میں ہوا تھا۔'' اور دلیل میں بے سند، منقطع اور ناقابل حجت تاریخی روایات ذکر کرتے ہیں جو ان کے اپنے فیصلے کے مطابق بھی دلیل نہیں بن سکتیں۔ دلیل کی قوت کا تو یہ حال ہے، لیکن اس دلیل کے بارے میں ان کا کہنا کہ ''صرف اس ایک دلیل سے ہی روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ اَوَّلُ جَیْــــش والی حدیث مبارکہ تو یزید پر فٹ کرنا صحیح نہیں ہے۔'' لیکن دلیل کیسی ہے: بے سند اور منقطع تاریخی روایت جو کہ مدعا پر واضح بھی نہیں۔

۴: مزید لکھتے ہیں:

''یہ حملہ قسطنطنیہ پر مضیق القسطنطنيه کی طرف سے ہوا تھا، یہ مقام اس شہر سے قریب ہے''

جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فِيْهَا كَانَتْ وَقعَة الْمَضِيْق باالْقربِ مِن قُسطُنطُنيَة و اَمِيْرهَا مُعَاوِيَة.** (تاریخ اسلام از ذہبی، عہد خلفائے راشدین، ص ۳۷۱)۔

''اس سن میں مضیق کا واقعہ ہوا جو کہ قسطنطنیہ کے قریب ہے اور اس کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے لہٰذا یہ حملہ بھی قسطنطنیہ پر ہی تھا۔'' (محدث، ص، ۵۹، ۶۰)۔

واضح رہے کہ حافظ ذہبی کے اس کلام میں اپنی طرف سے ان الفاظ کی پیوندکاری کی گئی ہے: ''لہٰذا یہ حملہ بھی قسطنطنیہ ہی پر تھا۔''

اس استدلال میں اہل بدعت کے طرز استدلال سے مشابہت نمایاں ہے۔ کیا یہ حضرات بتا سکتے ہیں کہ مضیق قسطنطنیہ (جہاں پر حملہ ہوا تھا) کے درمیان اور قسطنطنیہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ مضیق قسطنطنیہ اور قسطنطنیہ دو الگ الگ مقامات ہیں اور ایک پر حملہ سے دوسرے پر حملہ لازم نہیں آتا۔

۵: آگے چل کر دامانوی صاحب لکھتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قسطنطنیہ پر دوسرا حملہ: اس کے تحت امام بخاری کی تاریخ صغیر و تاریخ کبیر سے ایک روایت ذکر کرتے ہیں۔ جسے ہم ان کے ترجمے کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الله ابْن صَالِح حَدَّثَنِیُ مُعَاوِیَة عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰن بْنِ جُبَیْر بْنِ نُفَیْرٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ ثَعلَبَة الخَشنِی قَالَ سَمِعْتُهُ فِی خِلَافَةِ مُعَاوِیَة بِا لُقُسطُنطُنِیة وَکانَ مُعَاوِیَة غَزالنَّاس بِا لُقُسطُنطنِیَة: اِنَّ اللّٰه لَا یعْجزُ هٰذِهِ الاُمَّة مِن نِصف یوم.

''سیدنا ثعلبہ خشنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے دور خلافت میں قسطنطنیہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ وہ لوگوں کو قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے روانہ کر رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کو آدھے دن کے بقدر بھی عاجز نہیں کرے گا۔'' (محدث: ص ۶۰)۔

ایک مبتدی طالب علم جس نے کسی مدرسے میں با قاعدہ ماہرین فن سے پڑھا ہو، اگر وہ بھی اس عبارت پر غور کرے گا تو مترجم کی کوتاہی اور قواعد فن سے بے خبری اس پر واضح ہو جائے گی۔ درحقیقت جبیر بن نفیر، یہ بات ثعلبہ خشنی کے بارے میں بیان کر رہے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں ابو ثعلبہ خشنی سے قسطنطنیہ میں سنا اور معاویہ نے لوگوں کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا......

اگر دامانوی صاحب اس حدیث کے ترجمے پر غور کرتے، تو کبھی بھی ایسی جہالت کا ارتکاب نہ کرتے۔ چنانچہ دامانوی صاحب نے اس جملہ کو صحیح قائل کی طرف منسوب کرنے میں غلطی کھائی ہے۔

۶: مزید برآں مسند احمد کی متابعت والی روایت کا ترجمہ بھی درست نہیں کیا گیا۔ صاحب مضمون درج ذیل عبارت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: **اِذَا رَأیتَ الشّام مَائدَة رَجل وَاحِد و اَهْل بَیْتِه.**

''جب تو شام میں ایک شخص اور اس کے گھر والوں کے لئے ایک دستر خوان دیکھے۔'' (محدث:۔ ص:۶۱)۔

حالانکہ اس کا درست ترجمہ یوں ہے:

''جب تو (ملک) شام کو ایک آدمی اور اس کے اہل بیت کے لئے دستر خوان دیکھے۔'' یعنی ملک

شام ایک آدمی اوراس کے خاندان کے زیرتسلط ہو جائے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے ترجمہ میں ملک شام کے اندر ایک شخص اوراس کے اہل خانہ کے ایک دسترخوان کا ذکر ہے، جبکہ صحیح ترجمہ کی رو سے ملک شام کو ہی ایک شخص اوراس کے اہل خانہ کے لئے بطور ایک دسترخوان ذکر کیا گیا ہے۔

۷: دامانوی صاحب 'سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قسطنطنیہ پر تیسرا حملہ' کے ضمن میں لکھتے ہیں :اِنَّ اَبَا اَيُّوب خَالِد بْن زَيد الَّذِى كَانَ رَسُولُ الله ﷺ نَزَلَ فِى دَارِه ، غَزا اَرضَ الرُّوم فَمَرَّ عَلىٰ مُعاوِيَة فَجَفَاهُ مُعَاوِيَة ثُمَّ رَجَع مِنْ غَزوَته فَجَفَاهُ.

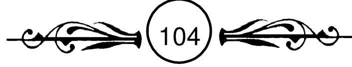
''بے شک ابوایوب انصاری خالد بن زید وہ ہیں کہ جن کے ہاں ان کے گھر پر رسول اللہ ﷺ اترے تھے (اورانہوں نے نبی ﷺ کی کئی دن تک میزبانی فرمائی تھی)۔انہوں نے ارض روم میں جنگ کی، پس معاویہ ان پر گزرے......'' (محدث: ـص:۶۲)۔

یوں تو باقی الفاظ کا ترجمہ بھی کوئی علمی اور پسندیدہ نہیں،لیکن اس لفظ کا ترجمہ تو بالکل غلط ہے:فَمَرَّ عَلىٰ مُعَاوِيَة ''معاویہ ان پر گزرے''، حالانکہ اس کا ترجمہ یوں بنتا ہے کہ وہ (یعنی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ) معاویہ پر گزرے،یعنی''معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سے گزرے۔''

پھراسی روایت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ،سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی قسطنطنیہ کے جہاد میں شریک ہوئے تھے اور پھراس جہاد میں حصہ لیکر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس بھی آ گئے۔'' (ص:۶۲)۔

حالانکہ نہ تو اس روایت سے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جانا اور آنا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کا جانا ثابت ہوتا ہے بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں گئے تھے اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ارض روم میں جہاد کرنے کے لئے گئے تھے۔ جاتے وقت بھی مستقر معاویہ میں وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور واپسی پر بھی۔



۸: اورحملہ یہاں پر بھی ارض روم پر ہے،قسطنطنیہ کا ذکر ہی نہیں اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے اوراسی بے رخی کی وجہ سے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ،سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ پرمقرر کردہ عامل عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جا ملے تھے۔

۹: دامانوی صاحب قسطنطنیہ پر چوتھا حملہ سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کے زیرامارت ہونا بیان کرتے ہوئے اس کے تحت سنن ابوداؤد کی اسلم ابوعمران والی روایت ذکر کرتے ہیں،جس میں ہے:

وَ علی الْجَمَاعَةِ عَبْد الرَّحْمٰن بن خَالِد بْن الْوَ لِيْد.

''جماعت پرعبدالرحمٰن بن خالد بن الولید امیر تھے۔''

اسی روایت میں ابوعمران یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ

فَلَمْ يَزلْ اَبُو ايُّوب يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ الله حَتّى دُفِنَ بِالقسطنطنيه.

''پس ابوایوب مسلسل (بغیر کسی انقطاع کے)اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔''

اس روایت سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد جب جماعت پر امیر تھے، یہ غزوہ جاری رہا اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس میں وفات پا گئے۔جبکہ صحیح بخاری کی محمود بن ربیع والی روایت کے الفاظ یہ ہیں: **فَحَدَّ ثتهَا قَوْماً فِيْهِمْ اَبُو ايُّوب صَاحِبُ رَسُو ل الله ﷺ فِي غَزوَتِهِ التِي تُوَفّيٰ فِيْهَا و يَزِيْد بْن مُعَاوِيَة عَلَيْهِمْ بِارْض الرُّومِ** .[صحیح البخاری:۔ ۱۵۸/۱]۔

''پس میں نے یہ حدیث ایسے لوگوں سے بیان کی جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔اس غزوہ میں جن میں وہ وفات پا گئے اور یزید بن معاویہ ان پر امیر تھے۔''

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ اسلم ابوعمران کی روایت میں بھی ابوایوب کی وفات کا ذکر ہے اور اس حدیث محمود بن ربیع میں بھی ان کی وفات کا ذکر ہے۔عبدالرحمٰن بن خالد کی امارت والے غزوہ میں ان کی عدم واپسی اور مسلسل جہاد اور پھر وفات ثابت ہے اور اس حدیث میں بھی ۔لہٰذا یہ دونوں روایات ایک ہی غزوے یا واقعے کے متعلق ہیں۔اب رہ گئی یہ بات کہ عبدالرحمٰن بن خالد بھی امیر ہیں

اور یزید بن معاویہ بھی تو اس میں منافات نہیں بلکہ تطبیق ممکن ہے۔ چونکہ یہ نہایت اہم غزوہ ہے، اس بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے بہت بڑا لشکر بھیجا تھا اور اہل مصر کی جماعت پر عقبہ بن عامر امیر تھے، اہل شام کی جماعت پر فضالہ بن عبید اور مدینہ سے آنے والی جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے جبکہ تمام لوگوں پر یزید بن معاویہ امیر تھے۔

اس تطبیق سے اس اشکال کا حل بھی نکل آتا ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں **وَ علی الْجَمَاعَةِ فُضَالَة بْن عُبَيْد.** ''جماعت پر فضالہ بن عبید امیر تھے۔'' کے الفاظ آئے ہیں اور دامانوی صاحب یا ان کے استاد صاحب نے ان الفاظ کو وہم قرار دیا ہے، کیونکہ **وَ علی الْجَمَاعَةِ فُضَالَة بْن عُبَيْد.** اور **وعلیٰ اَهْلِ الشَّام فُضالَة بْن عُبَيْد.** میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ **الجماعة** سے مراد اہل شام ہی کی جماعت ہے اور عبدالرحمٰن بن خالد بھی **الجماعة** پر امیر تھے، لیکن وہ **الجماعة** جو مدینہ سے نکلی تھی جیسا کہ اسلم ابو عمران کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔

غَزَوْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ نُرِيْدُ القسطنطنيه. سے پتہ چلا کہ ہم مدینہ سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے اور **الجماعه** پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے، یعنی وہ جماعت جو مدینہ سے نکلی تھی۔ یہی بات دکتور صلابی نے اپنی کتاب میں لکھی ہے:

يعنی اَلْجَمَاعَةُ الَّذِيْنَ غَزو امنَ الْمَدِيْنَة. ''یعنی وہ جماعت جو مدینے سے جہاد کے لئے نکلی تھی، جبکہ قائدِ عام یزید بن معاویہ ہی تھے۔''[الدولة الاموية :۔ ۳٦/۲]۔

دامانوی صاحب ''اس وضاحت سے کئی باتیں ثابت ہوئیں'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''قسطنطنیہ پر ان حملوں کے دوران پوری جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے۔'' (ص:۷۰)۔

حالانکہ اس کی انہوں نے کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی۔ پھر لکھتے ہیں: ''شروع کے حملوں میں یا اول جیش میں یزید بن معاویہ شامل نہ تھے، کیونکہ یہ واقعات ۴۴ھ ۴۵ھ ۴۶ھ کے دوران پیش آئے تھے اور یہ حملے یزید بن معاویہ کے ۴۹ھ کے حملے سے پہلے ہوئے تھے۔'' (ص:۷۱)۔

تو عرض یہ ہے کہ دامانوی صاحب اپنے ان دعوؤں پر کوئی قابل اعتبار صحیح اور متصل سند والی کوئی

روایت پیش کریں، کیونکہ ان کے بقول ''بے سند روایت کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔''

بہر حال کچھ مزید غلطیاں بھی ان کی تحریر میں موجود ہیں، لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ جو تطبیق ہم نے بیان کی ہے، اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو نہ کرے۔ اگر وہ کسی کو جنتی نہیں مانتے تو نا مانیں، لیکن کسی کو بزور جہنمی ثابت کرنے کی بھی کوشش نہ کریں۔ ہم تو ان تمام کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ ﴿تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[۲/البقرہ:۔۱۴۱]۔

''یہ امت جو گزر چکی جو انہوں نے بیان کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے، ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہ کئے جاؤ گے۔''

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[۵/ المائدۃ :۔ ۱۱۸]۔

''اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو غالب ہے حکمت والا ہے۔''



اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی

اسلامک انفارمیشن سینٹر اپنی ابتداء سے ہی بدعات وخرافات سے پاک خالص دین کی اشاعت کے لیے کوشاں ہے۔قرآن وسنت ہماری دعوت کی اساس اور منہج سلف سے وابستگی ہمارا مسلک ہے۔ وہ تمام افراد اور تنظیمیں جو قرآن و سنت کی بالادستی،توحید کے غلغلہ،شرک وبدعات کے قلع قمع اور مسلک اہل حدیث کے فروغ کے لیے کام کررہی ہیں ہم ان کے ہرممکن تعاون کے لیے تیار ہیں اور ان سے ہرممکن تعاون کی درخواست کرتے ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ ممبئی اور مضافات میں ہورہے دعوتی کام کی تنظیم کی جائے۔ وہ افراد جوانفرادی طور پر دعوت کا کام کررہے ان کی تربیت ہو،ان کوعلمی سپورٹ اور دعوتی موادفراہم کیا جائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ دعوت دین کوابلاغ اور ترسیل کے جدیدوسائل سے آراستہ کیا جائے۔تاکہ ہماری دعوت ان وسائل کے ذریعہ دنیا کے ایک ایک کونے تک پہنچ سکے۔

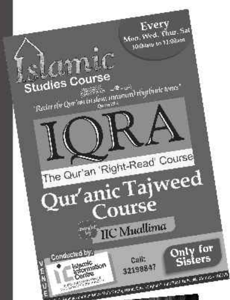
امت کا دعوتی محاذ بہت وسیع ہے۔تعلیمی،معاشی،فلاحی،سماجی،،سیاسی،اخلاقی اعتقادی،فروعی سارے دعوت کے میدان ہیں۔کوئی ایک تنظیم یا بعض افراد اکیلے ان سارے دعوتی میدانوں کا حق ادانہیں کرسکتے ۔اس لیے وہ تمام افراد اور وہ ساری تنظیمیں جودعوت کے مختلف میدانوں میں سرگرم ہیں سب کی سب حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں۔اوران ساری تنظیموں کے درمیان جب تک تعامل کا راستہ ہموارنہیں ہوگا دعوت کا حق ادانہیں کیا جاسکتا۔

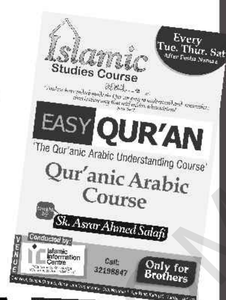
ہم اللہ کے دین کوسارے ادیان پراوررسول کی اطاعت کوساری اطاعتوں پرغالب کرنے کے لیے کام کررہے ہیں۔ہم اس بات کا آپ کو پورا یقین دلاتے ہیں کہ اپنے علم اوراستطاعت کی آخری حدوں تک ہم اس مشن کوخالص قرآن وسنت کی بنیادوں ہی پرآگے بڑھائیں گے۔کون سی زمیں ہمیں پناہ دے گی اورکون سا آسمان ہم پرسایہ کرے گا اگراس مشن کا آگے بڑھانے میں ہم اللہ اوراس کے رسول کی مخالفت شروع کردیں۔

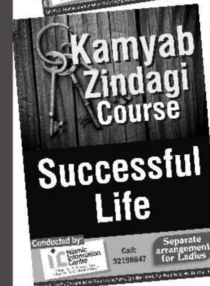
فی الحال ممبئی ہماری دعوتی ترجیح ہے۔اس سے آگے بڑھ کر پورے ہندستان،اوراس سے بھی آگے بڑھ کر پوری دنیا میں اپنادعوتی نیٹ ورک پھیلادینے کا ہماراارادہ ہے۔اس مرحلہ میں یہ بات شاید بڑی لگےلیکن اللہ کے فضل سے کچھ بھی بعیدنہیں۔اورہم اس کی رحمت سے بالکل بھی مایوس نہیں۔ویسے بھی ہر بڑے سفرکی شروعات ایک چھوٹے قدم سے ہوتی ہے۔اورہم تو پھربھی اس سفرکی بہت سے پڑاو پارکرچکے ہیں۔اللہ کا فضل،ہمارے عزائم اور آپ کا تعاون ساتھ ہوجائیں تو ہمارے یہ خواب اپنی تعبیروں تک پہنچ سکتے ہے۔

اللہ ہمارے عزائم اورآپ کے تعاون کواخلاص اورنصرت سے نوازے۔

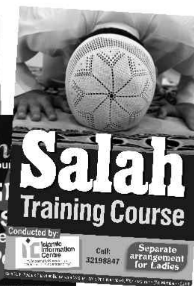
Islamic Studies Courses

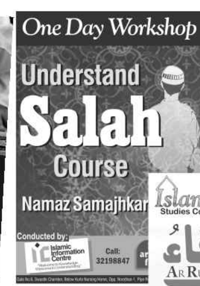


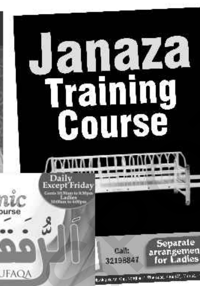




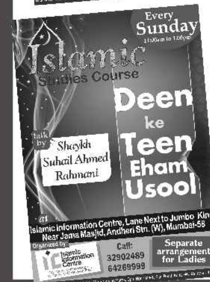




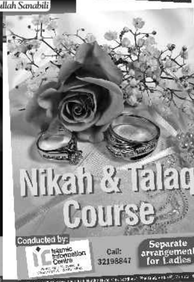






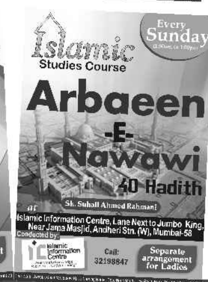






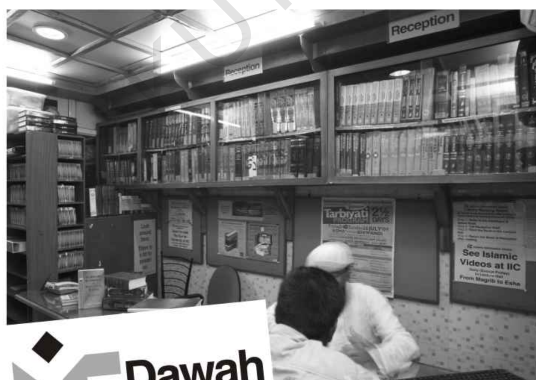






Dawah Desk

Walk in at IIC Centers in open hours to discuss about Islam and ask questions to an Aalim





Islamic Helpline

Islam helpline

32198847 / 64269999

Islam Helpline

Call IIC Islam Helpline for any question you may have.
022 32198847
022 64269999

اسلام ہیلپ لائن

اسلام سے متعلق کسی بھی طرح کے سوال کے جواب، مسائل کے حل، سماجی، خاندانی یا نفسیاتی مسائل پر مشورہ اور رہنمائی، آیات و احادیث کے حوالہ کے لیے رابطہ کریں:

022 32198847 / 022 6426 9999

Nasiha.tv
24 hrs. Internet TV Channel



Nasiha.tv

Online Islamic Channel with satellite quality recording and promos. See Live on www.nasiha.tv

نصیحه

سیٹلائٹ معیار کی ویڈیو کے ساتھ ہمارا آن لائن ٹی وی چینل۔ دیکھنے کے لیے لاگ ان کریں: www.nasiha.tv موبائل پر نصیحہ ٹی وی دیکھنے کے لیے آپ نصیحہ کا انڈرائڈ اپلیکشن بھی ڈاونلوڈ کرسکتے ہیں۔

Ahlus Sunnah
IIC Monthly Magazine



Ahlus Sunnah
www.ahlussunnah.in



Ahlus Sunnah
Monthly Magazine of IIC

Ahlussunnah monthly Magazine by IIC which bring eye-opening Islamic Research. It is a must for Daees and people seeking the truth

مجله اهل السنة
آئی آئی سی کا دینی، دعوتی، تحقیقی ماهنامه

اختلافی مسائل پر رواداری اور علمی اصولوں پر مبنی بحث وتحقیق کا حامل ہندستان کا منفرد تحقیقی مجلّہ

www.nasiha.tv / www.islamsmesseage.com / www.ahlussunnah.in

Weekly Public Programs



Weekly Public Programs

Public Program Conducted every week at different locations in Mumbai.

هفته واری اجتماعات

ہر ہفتہ ممبئی کی مختلف مساجد میں اہم موضوعات پر اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں۔

	Gents	Ladies
Kurla:	Sun.11:00am to 1:00pm	Sat. 3:00am to 5:00pm
Andheri:	Sun.11:00am to 1:00pm	Tue. 3:00am to 5:00pm
Jogeshwari:	Sat. 9:00pm to 10:00pm	

Misbah IIC Sister's Circle



10am-6pm
for total Islamic guidance and Tarbiyah of Sisters

Welcome to knowledge. Welcome to understanding.

Head Office: Kurla
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan 1, Pipe Rd., Kurla (W), Mumbai 400070
T: 91 22 32198847

Branch: Andheri
Grnd Flr, Mukund Hse,S. V. Rd, Near Andheri Station Jama Masjid, Andheri (W), Mumbai 400058
T: 91 22 32902489 • 91 22 64269999

Branch: Jogeshwari
Shop No.A, Ayub Colony, Bandra Plot, N-Block, Jogeshwari (E), Mumbai 400060
T: 91 22 32199395

W: www.islamsmessage.com E: islamsmessage@gmail.com

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی